بیادگار: حضرت مولانا سید محمد ثانی حسنی رحمۃ اللہ علیہ

خواتین کا ترجمان

ماہنامہ

رضوان

لکھنؤ

جلد نمبر ۶۰

شمارہ نمبر ۱۲

دسمبر ۲۰۱۶ء

ایڈیٹر

محمد حمزہ حسنی

مجلس ادارت

میمونہ حسنی　　عائشہ حسنی

جعفر مسعود حسنی　　محمود حسن حسنی

سالانہ زرتعاون

برائے ہندوستان : ۲۰۰/روپے

غیر ملکی ہوائی ڈاک : ۳۵/امریکی ڈالر

فی شمارہ : ۲۰/روپے

لائف ٹائم خریداری : ۸۰۰۰/روپے

نوٹ

خط و کتابت کرتے وقت اپنا خریداری نمبر اور مکمل صاف پتہ ضرور لکھیں، اگر مدت خریداری کے ختم ہونے کے وقت کی پرچی پتہ کی چٹ پر لگی ہو تو براہ کرم مدت خریداری ختم ہوتے ہی رقم ارسال فرمائیں۔ (منیجر)

ڈرافٹ پر RIZWAN MONTHLY لکھیں

زر تعاون اور خط و کتابت کا پتہ

ماہنامہ رضوان

۱۷۲/۵۴، محمد علی لین گوئن روڈ لکھنؤ

پن کوڈ: ۲۲۶۰۱۸ - موبائل: ۹۴۱۵۹۱۱۵۱۱

Rizwan (Monthly)

172/54, Mohammad Ali Lane

Gwynne Road Lucknow

Pin:226018- Mobile: 9415911511

ایڈیٹر پرنٹر، پبلشر محمد حمزہ حسنی نے مولانا محمد ثانی حسنی فاؤنڈیشن کے لیے کاکوری آفسیٹ پریس میں چھپوا کر دفتر رضوان محمد علی لین سے شائع کیا

کمپوزنگ: ناشر کمپیوٹر، لکھنؤ۔ فون: 9792913331

E-Mail : azizpaitepuri@gmail.com

فہرست مضامین

- اپنی بہنوں سے ۵
- حدیث کی روشنی میں ..... امۃ اللہ تسنیم ۶
- مسلمانوں کے زوال کا سبب..... ..... پروفیسر محسن عثمانی ندوی ۸
- مرادرسولؐ، شہید محراب..... ..... مولانا محمد جہاں یعقوب ۱۲
- 'دعا' رب کی عبادت اور عبد کی ضرورت،..... مفتی عبدالمنعم فاروقی ۱۷
- محرم الحرام میں شادی بیاہ کا حکم ..... مفتی محمد راشد ڈسکوی ۲۲
- واقعہ ہجرت کے چند نصیحت آموز پہلو ..... مولانا محمد غیاث الدین حسامی ۲۷
- اختلافِ اُمت، نجات کی راہ ..... ڈاکٹر نجیب الحق ۳۱
- زندگی اور موت کے فیصلے آسمان پر ہوتے ہیں ... محمد نصیرالدین ۳۵
- سوال وجواب ..... مفتی راشد حسین ندوی ۳۸
- میں نے اسلام کیوں قبول کیا؟ ..... ادارہ ۳۹
- آخری صفحہ ..... مولانا قمرالزماں ندوی ۴۲

اپنی بہنوں سے

حرام مال سے بچنے کی بہت زیادہ تاکید آئی ہے کیونکہ لوگ آسانی سے اس میں مبتلا ہوجاتے ہیں۔ جس کی وجہ سے ان کی عبادتیں ضائع ہوجاتی ہیں۔ اور دعا قبول نہیں ہوتی۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "وہ گوشت اور وہ جسم جنت میں نہ جاسکے گا جس کی پرورش حرام مال سے ہوئی ہے اور ہر ایسا گوشت اور جسم جو حرام مال سے پلا بڑھا ہے دوزخ اس کی زیادہ مستحق ہے۔" (مسنداحمد)

حرام مال سے کیا گیا صدقہ اللّٰہ رب العزت کے یہاں قبول نہیں ہوتا۔ حرام مال سے کیا گیا حج و عمرہ بھی قبول نہیں ہوتا۔

حضرت عبداللّٰہ بن عمر رضی اللّٰہ عنہ سے روایت ہے کہ جس شخص نے دس درہم میں کوئی کپڑا خریدا اور اگر اس میں ایک درہم بھی حرام مال کا ہے تو جب تک وہ کپڑا اس کے جسم پر رہے گا اس کی کوئی نماز اللّٰہ تعالیٰ کے یہاں قبول نہیں ہوگی۔

ہماری بہنیں اس پر ضرور غور کریں کہ ان کے شوہر کی کمائی کیسی ہے اور مسلسل ان کو توجہ دلاتی رہیں کہ حرام سے اپنی اور اپنی اولاد کی حفاظت کریں۔

بہنوں کا یہ فرض ہے کہ شوہر کی کمائی پر وہ قناعت کریں اور اس پر اللّٰہ تعالیٰ کا شکر بجالائیں اور اپنے شوہروں سے کبھی ایسی فرمائشیں نہ کریں جو ان پر بوجھ بنیں اور پھسل کر ایسا مال کمانے لگ جائیں جو دنیا اور آخرت میں وبال بن جائے۔ اور اولاد بھی تباہ و برباد ہوجائے۔

حدیث کی روشنی میں

امۃ اللہ تسنیم

ملاقات کا مسنون طریقہ

مصافحہ کا رواج

حضرت ابوالخطاب قتادہؓ سے روایت ہے کہ میں نے انسؓ سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں مصافحہ کا رواج تھا، انہوں نے کہا ہاں۔ (بخاری)

آنے والوں سے مصافحہ

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے پاس یمن کے لوگ آئے ہیں اور آنے والوں میں، یہ لوگ مصافحہ کے زیادہ مستحق ہیں۔ (ابوداؤد)

مصافحہ کا ثواب

حضرت براءؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب دو مسلمان آپس میں ملیں اور مصالحہ کریں تو ان دونوں کے گناہ جدا ہوجانے سے قبل بخش دیے جائیں گے۔ (ابوداؤد)

ملاقات کا مسنون طریقہ

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے عرض کیا یا رسول اللہ اگر کوئی آدمی اپنے بھائی یا دوست سے ملے تو کیا اس کے لئے تعظیماً جھک جائے؟ فرمایا نہیں۔ کہا کیا اس کو لپٹائے اور اس کو بوسہ دے؟ فرمایا نہیں، عرض کیا اس کا ہاتھ پکڑ کر مصافحہ کرلے، فرمایا ہاں۔ (ترمذی)

دست بوسی

حضرت صفوانؓ بن عسال سے روایت ہے کہ ایک یہودی نے اپنے ساتھی سے کہا آؤ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چلیں، پھر وہ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور نو نشانیوں (یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نو معجزوں کے متعلق سوال کیا) کے متعلق سوال کیا (پھر راوی نے پوری حدیث بیان کی کہ دونوں نے آپ کے دست مبارک اور قدم مبارک کو بوسہ دیا اور کہا کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ نبی ہیں۔ (ترمذی)

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ کو بوسہ دیا۔

آنے والے سے معانقہ

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ زید بن حارثہؓ آئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر میں تشریف رکھتے تھے۔ زیدؓ دروازہ پر آئے اور دروازہ کھٹکھٹایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی طرف چلے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کپڑے کو کھینچتے ہوئے تشریف لے جارہے تھے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو گلے لگایا اور بوسہ دیا۔ (ترمذی) (اس سے معلوم ہوا کہ جب کوئی سفر سے آئے تو اس سے معانقہ کرنا بوسہ لینا جائز ہے)۔

خندہ پیشانی سے ملنے کی فضیلت

حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نیک کام میں تھوڑے کام کو حقیر نہ سمجھو اگرچہ اپنے بھائی سے خندہ پیشانی سے ملو۔ (مسلم) (اپنے مسلمان بھائی سے خوش ہوکر ملنا اگرچہ ظاہر میں چھوٹی سی نیکی ہے مگر اس خوشی کی حقیقت کسی دکھے ہوئے زمانے کے ستائے ہوئے دل سے پوچھو تو معلوم ہو کہ یہ کیسی نیکی ہے)۔

بچہ کو پیار

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حسنؓ بن علیؓ کو بوسہ دیا۔ اقرع بن حابسؓ (موجود تھے) نے کہا

میرے دس بیٹے ہیں، میں نے کبھی کسی کو بوسہ نہیں دیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔ (بخاری۔ مسلم)

مسلمانوں کے اخلاق، اسلام کی سات ہدایتیں

حضرت براءؓ بن عازب سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو مریض کی عیادت، جنازے میں شرکت اور چھینک کا جواب دینے، قسم دینے والے کی قسم پوری کرنے، مظلوم کی مدد کرنے، دعوت قبول کرنے اور اسلام کو رائج کرنے کا حکم دیا ہے۔ (بخاری۔ مسلم)

مسلمان کے حقوق

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان پر مسلمان کے پانچ حق ہیں۔ سلام کا جواب دینا، مریض کی عیادت کرنا، جنازہ کے ہمراہ جانا، دعوت قبول کرنا، چھینک کا جواب دینا۔

بندہ سے خدا کا تعلق

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے آدم کے بیٹے میں بیمار ہوا تو نے میری عیادت نہ کی۔

بندہ: اے میرے پروردگار تو سارے جہاں کا پالنے والا ہے تیری مزاج پرسی کیسے کرتا۔

اللہ تعالیٰ: کیا تجھے نہیں معلوم کہ میرا فلاں بندہ بیمار ہوا تو نے اس کی عیادت نہیں کی۔ اگر تو اس کی عیادت کے لئے جاتا تو تو مجھے اُس کے پاس پاتا۔

اللہ تعالیٰ: اے آدمی میں نے تجھ سے کھانے کا سوال کیا اور تو نے مجھ کو نہ کھلایا۔

بندہ: جناب باری بھلا میں تجھ کو کھانا کیسے کھلاتا تو خود رب العالمین ہے۔

اللہ تعالیٰ: تجھے خبر نہیں کہ میرے فلاں بندے نے تجھ سے کھانا مانگا تھا تو نے اس کو نہ کھلایا، اگر تو اس کو کھلا دیتا تو تو اس کو میرے پاس پاتا۔

اللہ تعالیٰ: اے آدم کے بیٹے میں نے تجھ سے پانی مانگا، تو نے مجھے پانی نہ پلایا۔

بندہ: اے میرے رب تو سارے جہاں کا پالنے والا ہے۔ بھلا میں تجھ کو پانی کیسے پلاتا۔

اللہ تعالیٰ: میرے فلاں بندے نے تجھ سے پانی مانگا تھا تو نے نہ پلایا سمجھ لے کہ اگر تو اس کو پانی پلا دیتا تو تو اس کو میرے پاس پاتا۔ (مسلم) (ایمان والوں کی اللہ کے نزدیک اتنی عزت ہے کہ ان کی ضرورتوں کو اپنی پاک ذات کی طرف منسوب کیا حالانکہ اللہ تعالیٰ غنی ہے اس کو کسی چیز کی ضرورت نہیں)۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ایک یہودی کا لڑکا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کیا کرتا تھا، جب وہ بیمار ہوا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے اور اس کے سر کے قریب بیٹھ گئے اور اس سے فرمایا مسلمان ہو جا، اس کا باپ اس کے قریب بیٹھا ہوا تھا، اس نے باپ کی طرف دیکھا، باپ نے کہا ابوالقاسم (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کنیت ابوالقاسم تھی) کی بات مان لے تو وہ اسلام لے آیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرماتے ہوئے گھر سے نکلے کہ اللہ کا شکر ہے جس نے اس کو آگ سے بچالیا۔

زخم پر آپ کا عمل

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی شخص کسی زخم یا گھاؤ کی شکایت کرتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انگلی سے اس طرح اشارہ کر کے فرماتے (جس کو سفیان بن عُیینہ راوی نے اپنی کلمہ والی انگلی زمین پر رکھ کر اُٹھائی اور کہا اس طرح) **بِسْمِ اللّٰهِ تُرْبَةُ اَرْضِنَا بِرِيْقَةِ بَعْضِنَا يُشْفٰى بِهٖ سَقِيْمُنَا بِاِذْنِ رَبِّنَا۔**

ترجمہ: ہماری زمین کی مٹی، مسلمان کا لعاب دہن، اللہ کے حکم سے ہمارے بیمار کو شفا ہو جائے گی۔

○○○

پروفیسر محسن عثمانی ندوی

مسلمانوں کے زوال کا سبب
سائنس اور ٹکنالوجی میں پسماندگی

مذاہب کی تاریخ میں دین اسلام وہ پہلا مذہب ہے جس نے سائنسی علوم کا انکشاف کیا، کلمہ توحید کا مطلب یہ اعلان تھا کہ صرف اللہ کی ذات لائق عبودیت (Object of Worship) ہے، اور اس کے بعد ساری کائنات تحقیق وتفتیش (Object of Investigation) کے لئے ہے، پہلے زمانے کے لوگ آفتاب و ماہتاب کو دیوتا سمجھتے تھے، اجرام سماوی کی پرستش کرتے تھے، حیوانات اور مجسموں کو بھی معبود بناتے تھے، یہ ایک ذہن تھا، جو پوری دنیا میں پھیلا ہوا تھا، اسلام نے آکر اس ذہن کو توڑ دیا، اور تمام چیزوں کا تقدس ختم کردیا، اور اس کی ذات کے سوا دنیا کی ہر چیز کو تحقیق اور تلاش اور جستجو کا ہدف بنالیا، مظاہر فطرت پر تحقیق شروع ہوگئی، اور یہی سائنس کی ابتدا ہے، اگر اسلام نہ آتا تو سائنسی ترقی کا دروازہ انسان پر نہیں کھلتا، اسلام کی وجہ سے حیوانات اور نباتات، فلکیات اور کیمسٹری اور فزکس ہر چیز کو جاننے اور ان کی گہرائیوں تک پہنچنے کی خواہش پیدا ہوئی، اور یہ اس لیے ہوئی کہ قرآن حکیم میں اللہ کی نشانیوں میں تدبر کرنے کی ہدایت آئی ہے، قرآن میں ہے: "یتفکرون فی خلق السموات والارض۔" (آل عمران:۹۱) یعنی وہ زمین اور آسمان کی پیدائش پر غور کرتے ہیں اور بھی متعدد آیتیں ہیں جن میں کائنات میں پھیلی ہوئی نشانیوں پر اور خود اپنے جسمانی وجود پر غور وفکر کا حکم دیا گیا ہے۔ یہ درست ہے کہ قرآن کا اصل موضوع نفس انسانی کی اصلاح ہے اور اللہ کے حکموں کی بجاآوری پر اسے تیار کرنا ہے، لیکن اسی کے ساتھ انسان کو خلافت کا فرض بھی انجام دینا ہے، اور خلافت کے فرض کی انجام دہی کے لئے جن صلاحیتوں کی ضرورت ہے ان کو حاصل کرنا ہے، اور جب یہ کہا گیا کہ دنیا تمہارے لئے بنائی گئی ہے، تو ظاہر ہے اس دنیا پر قبضہ اور اس سے استفادہ کا سب سے زیادہ حق ان انسانوں کو پہنچتا ہے جو اللہ کو ماننے والے اور اس کی عبادت کرنے والے ہیں، اصل مقصود تو آخرت کی کامیابی ہے، لیکن دنیا اور اس کی نعمتوں کو خدا کے نافرمان بندوں کے لیے چھوڑ دینا کہ وہ جس طرح سے چاہیں اس میں تصرف کریں درست نہیں۔

سائنس سے متعلق کوئی بھی گفتگو ہوگی اس میں بنیادی چیز خود سائنس کو سمجھنا ہے، سائنس کسی شئے کے پیدا کرنے یا ایجاد کرنے کا نام نہیں ہے، بلکہ قدرت قدرت کے پوشیدہ رازوں کو جاننے کا نام ہے، مثال کے طور پر جب سے اس کائنات کی ابتداء ہوئی ہے پانی ہر انسان کی ضرورت ہے اور وہ اس کو ہمیشہ استعمال کرتا آیا ہے، لیکن یہ کہ پانی دو حصہ ہائیڈروجن اور ایک حصہ آکسیجن سے مل کر بنتا ہے، یہ ایک سائنسی دریافت ہے، سائنس کی دریافت کے ذریعہ ہمیں اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا تفصیلی علم معلوم ہوتا ہے، سورج کا زمین سے کیا فاصلہ ہے، زمین کی گردش کی رفتار کیا ہے، بارش کیسے بنتی ہے، بادل کہاں سے آتے ہیں، اور کیسے ہوا کے دوش پر سوار ہوکر دور دراز کے علاقوں میں برستے ہیں، انسان کا علم ان تمام تفصیلات کے بارے میں جتنا زیادہ ہوگا اتنا ہی وہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت

کے نظام پر حیرت کرنے لگے گا، اور اس کا رواں رواں شکر گذاری کے جذبہ سے لبریز ہوجائے گا۔ اور پھر یہ خوش رنگ اور خوش ذائقہ پھول اور پھل اور غلے اور درختوں کی پتیاں ان ساری چیزوں کے بارے میں جتنا علم انسان کو حاصل ہوگا، اتنا ہی اسے اپنے خالق اور مالک سے محبت زیادہ ہوگی اور خشیت بھی زیادہ ہوگی اسی لئے قرآن میں آیا ہے: "انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء" یعنی اللہ سے ڈرنے والے اس کے بندوں میں اہل علم ہیں، اور قرآن میں ہے، "خلق لکم ما فی الارض جمیعاً" یعنی اس نے پیدا کی ہیں تمہارے لئے زمین کی تمام چیزیں۔ جب تک انسان مظاہر فطرت کی پرستش کرتا تھا، اس وقت تک وہ اس کائنات کی سب سے اہم مخلوق نہیں بن سکا تھا، یہ اس کی تحقیق اور دریافت تھی جس نے انسان کے اندر فکری انقلاب برپا کردیا۔ سولہویں صدی عیسوی تک مسلمان علم کے ہر میدان میں سب سے آگے اور استادی کے مقام پر تھے، یورپ کے لوگوں نے مسلمانوں کے عمل کو لیا، اور اس میں انہوں نے اتنی زیادہ ترقی کی کہ مسلمانوں کو شاگردی کے مقام تک پہنچادیا، ضرورت اس بات کی تھی کہ مسلمان دوبارہ سائنسی علوم کو یورپ والوں سے لیتے اور ان کا مقابلہ کرتے لیکن ہوا یہ کہ یہ سائنس مسلمانوں کے سامنے ملک گیری اور استعمار کے جلو میں آئی، اس لئے مسلمانوں کو استعماری طاقتوں سے نفرت ہوئی، اور یہ نفرت ہونی بھی چاہئے تھی، لیکن مسلمانوں کے منفی رویے کی وجہ سے یورپ کی زبانیں جن میں یہ سائنسی علوم تھے مسلمانوں کے لئے اجنبی رہیں، اور اگر مسلمانوں نے یہ زبانیں سیکھیں بھی تو انہوں نے غلطی یہ کی کہ ادب اور تہذیب حاصل کرنے کے لئے سیکھیں، چنانچہ سائنس اور ٹیکنالوجی میں مسلمان ملک مغربی طاقتوں سے اتنے زیادہ پیچھے ہوگئے کہ ان دونوں میں کوئی مقابلہ نہ تھا، پوری دنیا میں مسلمانوں کی شکست اور زوال کا یہی بنیادی سبب ہے، دوبارہ سائنس کی طرف قدم بڑھانے کے لئے یہ ضروری تھا کہ مسلمان خود اپنی تاریخ سے واقف ہوں اور یہ دیکھیں کہ ان کے اسلاف نے سائنس کے مختلف شعبوں میں کیسے محیر العقول کارنامے انجام دیئے، اسی مقصد کے لئے وہ مسلمان سائنس دانوں اور ان کے کارناموں کا مطالعہ کرتے جن سے خود یورپ نے استفادہ کیا تھا۔

مسلم اور عرب ملکوں کی موجودہ صورت حال یہ ہے کہ چھوٹی چھوٹی حکومتیں ہیں اور ان ملکوں میں جہاں تیل کے چشمے ہیں ان پر قبضہ مغربی طاقتوں کا ہے، یہ عربوں اور مسلمانوں کی اتنی بڑی نااہلی اور بے ہنری ہے کہ وہ تیل نکالنے اور تیل کو صاف کرنے اور پھر تیل کو عالمی مارکٹ میں بیچنے کی صلاحیت سے بھی محروم تھے جس کی وجہ سے یورپ امریکہ سے ماہرین کو بلانا پڑا، اور آج یہ ماہرین اپنی کمپنیوں کے ساتھ اور اپنے ملک کی فوجوں کے ساتھ خلیج کے ملکوں پر اپنا تسلط قائم کئے ہوئے ہیں، جس قوم نے دنیا میں سائنس اور صنعت کی امامت کی تھی وہ قوم تیل نکالنے، صاف کرنے اور مارکیٹنگ کی صلاحیت سے بھی محروم ہے، کبھی کبھی یہ دھمکیاں بھی دی جاتی ہیں کہ اگر سعودی عرب نے امریکی احکام کی بے چون وچرا اطاعت نہیں کی تو اس کے تیل کے چشموں پر قبضہ کرلیا جائے گا، اور مغربی بینکوں میں ان کے جو اثاثے ہیں وہ ضبط کرلئے جائیں گے، حیف کہ وہ قوم جو کبھی سائنس اور ٹکنالوجی میں سب سے آگے تھی وہ دوسری قوموں کے آج برابر نہیں ہے، بلکہ ان سے بہت پیچھے ہے۔ دنیا میں عہد حاضر میں مسلمانوں کی شکست اور بربادی کے اصل ذمہ دار وہ حکمراں ہیں جنہوں نے تیل کی شکل میں قارون کا خزانہ ملنے کے باوجود سائنس اور ٹکنالوجی میں دنیا کی بڑی طاقتوں کے ہمسر بننے کی کوئی کوشش نہیں کی۔

مسلم ملکوں کا ایک جائزہ لے لیجئے تہران، عمان، دبئی، ریاض، کویت، قطر کے ملکوں کو ذرا بلندی سے دیکھئے عالی شان عمارتیں، سر بفلک روشن محلات، جگمگ کرتے ہوئے کئی کئی منزلہ بازار اور اس میں ہر وقت متحرک اکسیلیٹر اور خودکار زینے، سڑکوں پر نہایت قیمتی نفیس چمچماتی ہوئی گاڑیاں، ان کی ساری رونق ادھار اور مستعاری ہے، ہر چیز باہر سے درآمد کی ہوئی، چھوٹے بڑے استعمال کے تمام سامان دوسرے ملکوں سے خریدے ہوئے، کوئی چیز اپنی تیار کی ہوئی نہیں، کیا اسی کا نام ترقی ہے؟ تیل کی تلاش کا کام ہو یا تیل کے چشمے کھودنا ہو یا تیل نکالنا اور صاف کرنا ہو اور پھر ان کی ترسیل اور مارکیٹنگ کا کام ہو ان سب کے ٹھیکے دوسرے ملکوں کے ماہرین کو دیئے گئے ہیں، بھاری اسلحوں کو چھوڑیئے معمولی رائفل اور رائفل کی گولیاں تک باہر سے منگائی جاتی ہیں، یہ سارا منظر نامہ ترقی کا نہیں بلکہ تنزلی اور انتہائی پسماندگی کا ہے، مسلمان عرب ملکوں میں کوئی صنعتی پیداوار نہیں ہے، بڑے بڑے کارخانے نہیں ہیں، بڑی بڑی صنعت گاہیں نہیں ہیں، کوئی ٹکنالوجی نہیں ہے، ہم اپنی حفاظت کے لئے بھی دوسروں کی فوج اور دوسروں کے اسلحہ کے محتاج ہیں، سائنس کے موضوع پر دنیا میں جو کتابیں لکھی جاتی ہیں، وہ سب سے کم عرب دنیا میں اور خلیجی ملکوں میں شائع ہوتی ہیں، ان ملکوں میں ایک سال میں گنتی کی چند کتابیں شائع ہوتی ہیں، جب کہ ترقی یافتہ ملکوں میں سائنسی موضوعات پر کئی لاکھ کتابیں شائع ہوتی ہیں، یہ بہت مایوس کن صورت حال ہے کہ دولت تو موجود ہو لیکن سائنس داں نہ ہوں، اور کارخانے نہ پائے جائیں، سب سے واضح حقیقت یہ ہے کہ مسلم ملکوں میں سائنس اور ٹکنالوجی کی ترقی نہایت سست رفتار اور پسماندگی کا شکار ہے۔ قوی شعور اور ملی غیرت کا تقاضہ تو یہ تھا کہ ہم اسلحے اور ضروریات زندگی میں خود کفیل ہوتے اور شیشہ گران فرنگ کا احساس نہ اٹھاتے، حدیث ہے کہ **لا تستضیئوا بنار اهل الشرك.** (مشرکین کی آگ سے روشنی حاصل نہ کرو) حضرت حسن بصریؒ نے اس کی تفسیر یوں کی ہے **لا تستشیروا المشرکین من امور دینکم** یعنی مشرکین سے اپنے دینی معاملات میں مشورہ نہ لو اور ہم اتنے سادہ اور پسماندہ ہیں کہ ہمیں جنہوں نے کمزور اور بیمار کیا ہے ان ہی کے پاس ہم دوا لینے جاتے ہیں ہمارے پاس اپنی کوئی ٹکنالوجی نہیں، اسلام سائنس اور صنعت کی ہمت افزائی کرتا ہے ایک حدیث میں آتا ہے۔ **"ان الله يحب المؤمنين المحترف".** یعنی اللہ تعالیٰ پیشہ ور مؤمن کو پسند فرماتا ہے۔ (المعجم الاوسط حدیث: ۳۴۹۸) ایک دوسری حدیث میں زراعت کی طرف آپ نے توجہ دلائی اور فرمایا۔ **اطلبوا الرزق فی خبالا الارض.** یعنی پہنائے زمین میں رزق تلاش کرو۔ (مسند ابی یعلی مسند عائشہ حدیث ۴۳۸۴) قرآن مجید میں انبیاء کرام کے بارے میں آیا ہے کہ ان کے پاس بھی صنعت تھی اور وہ اپنی ٹکنالوجی میں ماہر ہوتے تھے، آخر اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر اس کا تذکرہ کیوں کیا ہے یہ صرف "برسبیل تذکرہ" ہے یا اللہ تعالیٰ صنعت اور ٹکنالوجی میں مہارت پیدا کرنے کی ہمت افزائی کرنا چاہتا ہے اور یہ کہنا چاہتا ہے کہ نبی جیسی برگزیدہ شخصیت نے دعوت و تبلیغ کے کام کے ساتھ ہنرمندی اور حرفت پر بھی توجہ کی اور یہ نمونہ ہے قیامت تک مسلمانوں کے لئے۔ تاکہ مسلمان یہ نہ سوچیں کہ یہ سب دنیا داری کی چیزیں ہیں اور ان سے اپنے دامن کو آلودہ نہیں کرنا چاہئے۔ جہاز بازی کا فن کتنی اہمیت رکھتا ہے اس کا سبق ہمیں اس سے ملتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کو کشتی بنانا سکھایا گیا: **"واصنع الفلك باعيننا و وحينا."** (سورہ ہود: ۳۷)۔ حضرت داؤد کو زرہ گری کی صنعت سکھائی گئی۔ **"علمناه صنعة**

لبوس"۔ حضرت سلیمان کے لئے تانبہ کا چشمہ بہایا گیا اور ان کی زیرنگرانی جن (مخلوق) بڑے بڑے مکانات اور دیگر چیزیں بناتے تھے۔"یعملون له ما یشاء من محاریب و تماثیل" یہ درست ہے کہ نبی کی بعثت کا مقصد صنعتی انقلاب لانا نہیں ہوتا ہے لیکن کیا اس سے صنعت وحرفت کی اہمیت بھی واضح نہیں ہوتی ہے، کیا قرآن کا ان باتوں کا ذکر کرنا برائے بیت اور فضول ہے، امام حدیث شمس الدین ذہبی نے ایک روایت نقل کی ہے کہ انسانی زندگی کی جتنی اہم اور ضروری صنعتیں ہیں وہ سب اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی اپنے پیغمبر کو سکھلائی تھیں (معارف القرآن: ۷/۲۶۲) اگر امام شمس الدین ذہبی کی روایت درست ہے تو کیا اللہ تعالیٰ نے یہ کام بے مقصد کیا تھا اور اس سے مسلمانوں کو کوئی سبق نہیں لینا چاہئے علم نجوم Astronomy سیکھنے کی تلقین اس حدیث میں ملتی ہے۔ تعلموا من هذه النجوم تهتدون بها۔ (کنزالعمال حدیث:۲۹۴۳) اور پھر اللہ تعالیٰ نے واشگاف الفاظ میں قرآن میں یہ حکم کیوں دیا۔"وَ اَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ، لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ، اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ۔" (الانفال:۶۰) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے امر کے صیغے میں سامان جنگ کی تیاری کا حکم دیا ہے اور سامان جنگ کا معیار یہ بتایا ہے کہ تمہارے دشمن اور خدا کے دشمن تمہارے اسلحہ سے خوفزدہ اور مرعوب ہوجائیں اور جب تک مسلم اور عرب حکومتیں قرآن کے اس حکم پر عمل نہیں کریں گی ان کی پسماندگی اور ذلت ختم نہیں ہوگی، ان پر حملے ہوتے رہیں گے، جیسے حملے افغانستان اور عراق پر ہوئے ان کی سرزمینوں پر قبضہ ہوتا رہے گا جیسا کہ قبضہ فلسطین پر ہوا اور چونکہ ان آیتوں کے مخاطب مسلم حکمراں ہیں اس لئے وہ سب سے زیادہ قصوروار اور مسلمانوں کی بربادی کے ذمہ دار ہیں اور ان سے بھی زیادہ قصوروار وہ علماء ہیں جو نصیحت اور احتساب سے گریز کرتے ہیں اور زبان پر سچی بات نہیں لاتے ہیں۔

○○○

بقیہ ..... سوال و جواب

س: زکوٰۃ کی رقم ایسی تنظیم کو دینا جو بیت المال کے نام سے قائم کی گئی ہے اور غریبوں اور ناداروں پر رقم صرف کرتی ہے کیسا ہے؟ کیا اس تنظیم کے لئے کسی وجہ سے زکوٰۃ کی رقم کچھ دنوں تک روکے رکھنا جائز ہے؟

ج: زکوٰۃ کے مصارف قرآن مجید میں تفصیل سے بتادیئے گئے ہیں۔"انما الصدقات للفقراء" الآیہ۔ (سورۃ التوبہ/۶۰) جس میں بنیادی بات یہ بتائی گئی ہے کہ زکوٰۃ صرف فقیر اور مسکین پر صرف کی جاسکتی ہے یعنی جو محتاج ہو اور جس کے پاس اتنا مال نہ ہو جس کی وجہ اس پر صدقہ فطر یا قربانی واجب ہو، مستحقین کو انفرادی طور پر بھی زکوٰۃ دی جاسکتی ہے، اور کسی ادارہ کے واسطے سے بھی دی جاسکتی ہے، اس کے لیے بیت المال قائم کیا جاسکتا ہے، لیکن بیت المال یا کوئی کمپنی زکوٰۃ جمع کرنے کیلئے قائم کی جائے تو اس کے ذمہ داروں پر ضروری ہوگا کہ زکوٰۃ صرف مستحقین پر صرف کریں یعنی وہ مسلمان ہو محتاج ہو، اس کا تعلق سادات سے نہ ہو، اسی طرح زکوٰۃ کا جلد سے جلد صرف کرنا بھی ضروری ہوتا ہے۔ اس میں تاخیر کرنے سے گناہ ہوگا، اسی طرح تملیک کا دینا بھی ضروری ہوتا ہے۔ خواہ نقد دے یا دوا یا کتاب وغیرہ خرید کر دے۔ (ہندیہ-۱/۱۷۰، ۱۸۹ نئے مسائل اور فقہ اکیڈمی کے فیصلے۔ص:۶۲-۶۳)

○○○

مولانا محمد جہاں یعقوب

مرادِ رسولؐ، شہید محراب
حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ

مسلمانوں کے دوسرے خلیفۂ راشد، اعدل الاصحاب، امام العادلین، مراد رسولؐ، شہید محراب حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ وہ صحابی ہیں جن کی فضیلت کے لئے اتنا کافی ہے کہ قرآن کریم ان کی رائے کی موافقت کرتا ہے اور سید المرسلین، خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے فرمایا: میرے بعد اگر کوئی نبی ہوتا تو وہ عمر ہوتا۔ (سنن ترمذی)

22 لاکھ مربع میل پر حکومت کرنے والے خلیفہ کی زندگی کا ایک ایک گوشہ اپنے اندر ایسے ان مٹ نقوش لیے ہوئے ہے جن کی اتباع کرنے والے بادشاہوں یا رعایا سبھی راہ ہدایت پر گامزن ہوجاتے ہیں۔ آپ کی اطاعتِ الٰہی، اتباع رسولؐ، زہد و تقویٰ، اخلاق حسنہ، رعایا کی نگہبانی، یتیموں پر شفقت، غمزدوں کی غمگساری، غریبوں پر رحم، ناداروں کی دلجوئی، بے سہاروں کے ساتھ ہمدردی، عاجزی وانکساری، احساسِ ذمہ داری، بیت المال سے حقدار کی خیر خواہی، یادِ آخرت وغیرہ تمام ہی صفاتِ عالیہ قابل تقلید ہیں۔ اس مضمون میں آپ کی بے مثال شخصیت کا مختصر سا تعارف پیش کرنے کی سعی کی گئی ہے۔

آپ کا نام مبارک ”عمر“ ہے، دور جاہلیت اور اسلام دونوں میں آپ کا نام عمر ہی رہا، عمر کا معنی ہے آباد کرنے یا آباد رکھنے والا۔ چونکہ آپ کے سبب اسلام کو آباد ہونا تھا لہٰذا پہلے ہی سے یہ نام عطا کردیا گیا، نیز آپ کا عہد خلافت چونکہ اسلام کی آبادی کا زمانہ ہے اس لحاظ سے بھی آپ اسم بامسمّی ہوئے۔

آپ کا لقب فاروق ہے۔ اس لقب کے حوالے سے حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے عرض کی گئی کہ: ہمیں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے متعلق کچھ بتایئے تو ارشاد فرمایا:

حضرت عمر وہ ہستی ہیں جنہیں اللہ عزوجل نے لقب فاروق عطا فرمایا، کیونکہ آپ نے حق کو باطل سے جدا کردکھایا۔ (تاریخ ابن عساکر)

حضرت عائشہ صدیقہ طیبہ طاہرہ رضی اللہ عنہا سے عرض کی گئی: حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو فاروق کا لقب کس نے دیا؟

انہوں نے ارشاد فرمایا: حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا۔ (اسد الغابہ)

ایک روایت میں ہے کہ حضرت جبریل امین علیہ السلام نے فرمایا: زمین میں ان کا نام عمر اور آسمانوں میں فاروق ہے۔ (الریاض النضرہ)

آپ کی کنیت ابوحفص ہے، جس کی نسبت آپ کی صاحب زادی حضرت سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کی طرف ہے، جو ام المؤمنین بھی ہیں۔ آپ کا لقب وکنیت دونوں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے عطا کردہ ہیں۔ سب سے پہلے امیر المؤمنین کا لقب بھی حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو دیا گیا، اس کا پس منظر یہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک بار حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو تو خلیفہ رسول اللہ کہا جاتا تھا جب کہ مجھے یہ نہیں کہا جاسکتا کیونکہ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا خلیفہ ہوں اور اگر یہ کہا جائے خلیفہ خلیفہ رسول اللہ تو بات لمبی ہوجائے گی۔ اس وقت حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے کہا: آپ ہمارے امیر ہیں اور ہم مومنین ہیں تو آپ ہوئے امیر المومنین۔ آپ نے فرمایا: یہ ٹھیک ہے۔ (الاستیعاب)

آپ رضی اللہ عنہ کا نسب نویں پشت میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے

جاملتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مرہ کی اولاد میں سے ہیں، جب کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ عدی کی اولاد میں سے ہیں۔

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مکہ میں پیدا ہوئے اور ان چند لوگوں میں سے تھے جو لکھ پڑھ کر سکتے تھے۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو اسلام کی دعوت دی تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سخت مخالفت کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسلام قبول کرلیا۔ اس لیے آپ کو مراد رسول بھی کہا جاتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائی تھی:

اے اللہ: ابوجہل اور عمر بن خطاب میں سے، جو آپ کو زیادہ محبوب ہو اس کے ذریعے اسلام کو غلبہ عطا فرما۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ یہ روایت بیان کر کے آگے کہتے ہیں۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دونوں میں سے عمر رضی اللہ عنہ زیادہ محبوب تھے۔ (سنن ترمذی)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: عمر رضی اللہ عنہ نے جب سے اسلام قبول کیا تب سے ہماری طاقت وقوت میں اضافہ ہوتا گیا۔ (صحیح بخاری)

ہجرت کے موقع پر کفار مکہ کے شر سے بچنے کے لیے سب نے خاموشی سے ہجرت کی، مگر آپ کی غیرت ایمانی نے چھپ کر ہجرت کرنا گوارا نہیں کیا۔ آپ نے تلوار ہاتھ میں لی، کعبہ کا طواف کیا اور کفار کے مجمع کو مخاطب کر کے کہا: ''تم میں سے اگر کوئی شخص یہ چاہتا ہو کہ اس کی بیوی بیوہ ہو جائے، اس کے بچے یتیم ہو جائیں تو وہ مکہ سے باہر آ کر میرا راستہ روک کر دیکھ لے'' مگر کسی کافر کی ہمت نہ پڑی کہ آپ کا راستہ روک سکتا۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ دین میں اس قدر پختہ تھے کہ انسان کا سب سے بڑا دشمن شیطان بھی ان کے مقابلے میں آنے سے کتراتا تھا۔ اسی حقیقت کے متعلق نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی گواہی ہے: اے ابن خطاب! اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! جب کبھی شیطان کا سرِ راہ تم سے سامنا ہوتا ہے تو وہ تمہارا راستہ چھوڑ کر دوسرے راستے پر چل دیتا ہے۔ (صحیح بخاری)

یہ بات بھی بہت مشہور ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جو موقف اختیار کرتے تھے تو اس کی تائید میں قرآن مجید نازل ہو جاتا تھا۔ جیسا کہ صحیح مسلم کی روایت میں ہے:

مقام ابراہیم کو مستقل جائے نماز بنانے کی رائے، امہات المومنین کو حجاب کا حکم دینے کی رائے، بدر کے قیدیوں سے متعلق رائے کے ذریعے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے رب سے موافقت کی تھی۔ (صحیح مسلم)

قرآن کریم میں بہت سی آیات طیبہ ہیں جو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئیں اور آپ کی شان و عظمت پر دلالت کرتی ہیں۔

1- آپ نے جب اسلام قبول کیا اور اہل حق کی تعداد چالیس ہوگئی تو سورہ انفال کی چند آیات نازل ہوئیں۔ (معجم کبیر)

2- ازواج مطہرات کے متعلق طلاق کی غلط خبر مشہور ہوئی تو آپ نے بارگاہ رسالت میں رجوع کیا اور حقیقت حال دریافت کر کے مسجد نبوی میں اس کا اعلان کر دیا تو سورۂ نسا کی چند آیات نازل ہوئیں۔ (مسلم)

3- سورہ تحریم کی ایک آیت میں آپ کو صالح المومنین یعنی ''نیک ایمان والے'' کہا گیا۔ (درمنثور)

4- ایک کافر نے آپ کے ساتھ بیہودگی کی تو سورہ بنی اسرائیل کی ایک آیت میں آپ کو صبر و معاف فرمانے کی تلقین کی گئی۔ (خازن)

5- اسی طرح ایک دوسرے موقع پر سورۂ جاثیہ کی ایک آیت میں بھی آپ کو درگزر کرنے کا حکم ہوا۔ (الکشف والبیان)

6- سورہ سجدہ کی ایک آیت میں آپ کے ایمان کو بیان کیا گیا۔ (زادالمسیر)

7- جنگ بدر میں آپ نے اپنے ماموں عاص بن ہشام بن مغیرہ کو قتل کیا تو سورہ مجادلہ کی ایک آیت میں آپ کے دشمنانِ خدا و رسول سے دوستی نہ کرنے کی گواہی دی گئی۔

8- سورہ آل عمران کی آیت میں آپ کے مشیر رسول ہونے کا بیان ہے۔ (درمنثور)

9- آپ نے بارگاہ رسالت میں آواز کو انتہائی پست رکھ کر اس بارگاہِ عرش نشان کا

انتہائی ادب کیا تو سورہ حجرات کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں اور آپ کے باطنی تقویٰ کو بیان کیا گیا۔ (البحرالمحیط)

اس کے علاوہ بھی آیات مقدسہ ہیں جو آپ کے حق میں نازل ہوئیں، تفصیل کے لیے تفاسیر کی طرف مراجعت کیجیے۔

اسی موضوع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم گواہی دیتے ہوئے فرماتے ہیں: بے شک اللہ تعالیٰ نے عمر (رضی اللہ عنہ) کی زبان اور ان کے دل پر حق رکھ دیا ہے۔ (ترمذی)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فرزند ارجمند ابن عمر رضی اللہ عنہ بھی کچھ ایسی ہی گواہی دیتے ہوئے کہتے ہیں: جب بھی لوگوں کو کوئی مسئلہ پیش آتا جس میں آرا مختلف ہوتیں اور عمر رضی اللہ عنہ کوئی اور رائے پیش کرتے تو قرآن کریم انہی کی رائے کی تائید میں نازل ہوجاتا۔ (مسند احمد)

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے بعد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کی طرف رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا صاف اشارہ ایک حدیث سے یوں ملتا ہے:

دوران خواب میں نے اپنے آپ کو ایسے کنویں پر پایا جس کی منڈیر نہیں تھی، اس میں ایک ڈول تھا۔ میں نے اس کنویں سے جتنے اللہ تعالیٰ نے چاہے ڈول کھینچے، پھر اس ڈول کو ابن قحافہ (ابوبکر رضی اللہ عنہ) نے تھام لیا۔ انہوں نے اس کنویں سے ایک یا دو ڈول کھینچے، ان کے کھینچنے کی کمزوری کو اللہ معاف فرمائے، اس کے بعد ڈول بڑے ڈول میں تبدیل ہوگیا اور اس کو ابن الخطاب (رضی اللہ عنہ) نے پکڑ لیا۔ میں نے انسانوں میں کوئی مضبوط طاقتور شخص نہیں دیکھا جو عمر رضی اللہ عنہ کی طرح ڈول کھینچتا ہو۔ اس نے اتنے ڈول کھینچے کہ سب لوگ جانوروں اور زمین سمیت سیراب ہوگئے۔ (بخاری)

یہ حدیث سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی خلافت کی واضح دلیل ہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بعد وہی خلیفہ راشد قرار پائیں گے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے خلاف وامامت پر نہ صرف صحابہ رضی اللہ عنہم بلکہ تمام امت مسلمہ کا اجماع ہے۔

سیدنا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ خود بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مداح تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں ان لوگوں میں کھڑا تھا، جو عمر رضی اللہ عنہ کے لیے اس وقت دعا کررہے تھے جب آپ کو چارپائی پر لٹایا گیا تھا۔ اچانک میرے پیچھے سے ایک شخص نے اپنی کہنی میرے کندھوں پر رکھی اور یوں دعا کی: ''اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے، مجھے اللہ تعالیٰ سے امید تھی کہ وہ آپ کو آپ کے دونوں ساتھیوں کے ساتھ ہی جمع کردے گا، کیونکہ میں اکثر وبیشتر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ الفاظ سنا کرتا تھا'' میں، ابوبکر اور عمر تھے، میں ابوبکر اور عمر نے یوں کیا، میں ابوبکر اور عمر گئے'' تو اسی لیے مجھے امید تھی کہ آپ کو اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھیوں کے ساتھ ہی اکٹھا کردے گا۔'' ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے پیچھے مڑکر دیکھا تو وہ علی رضی اللہ عنہ تھے جو یہ دعا کررہے تھے۔ (بخاری)

قرآن کریم کے مطابق تمام صحابہ کرام محبت والفت اور باہمی رحمدلی میں بے مثال تھے۔ اسی لیے حضرت عمر فاروق اور حضرت علی رضی اللہ عنہما بھی ہمیشہ ایک دوسرے کے ساتھ شیر وشکر رہے، غزوہ خندق کے موقع پر جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے مشہور جنگ جو کافر بن عبدوُدّ کو جہنم رسید کیا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرط مسرت سے ان کا سر چوم لیا۔ (کشف الغمہ)

آپ اکثر یہ دعا مانگا کرتے تھے: الٰہی! مجھے اس وقت زندہ نہ رکھنا جب کوئی مشکل پیش آئے اور مشکل کشائی کے لیے حضرت علی موجود نہ ہوں۔ دوسری طرف حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کے کیا جذبات تھے، شیعہ کتب سے ملاحظہ کیجیے۔

بعد وصال جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو کفن پہنا دیا گیا تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے ان کے بارے میں فرمایا: مجھے روئے زمین پر اس سے زیادہ محبوب کوئی شے نہیں کہ میں ان جیسے اعمال لے کر بارگاہ رب العزت میں حاضر ہوں۔ (تلخیص الشافی، مطبوعہ نجف اشرف)

ایک موقع پر فرمایا: حضرت ابوبکر و

حضرت عمر کا کردار نہایت عمدہ تھا اور ان دونوں نے اپنے دور خلافت میں امت میں عدل وانصاف قائم کیا۔ (ناسخ التواریخ)

ایک بار فرمایا: اللہ تعالیٰ حضرت عمرؓ کے شہروں کو برکت دے۔ آپ نے کجی کو درست کیا، بیماری کا علاج کیا، فتنہ وفساد کو پس پشت ڈالا، سنت نبوی کو قائم کیا۔ وہ دنیا سے پاک دامن رخصت ہوئے۔ انہوں نے خیر کو پالیا اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت وتقویٰ کا حق ادا کردیا۔ (نہج البلاغہ)

تاریخ گواہ ہے کہ جس قدر فتوحات اور احکامات شرعیہ کا نفاذ آپ رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں ہوا اتنا کسی اور خلیفہ کے زمانے میں نہ ہوا، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال پرملال کے وقت اسلامی حکومت کا کل رقبہ بارہ لاکھ دو ہزار ایک سو چونسٹھ مربع میل ہوگیا اور پھر خلافتِ فاروقی کی عظیم الشان فتوحات کی بدولت اس رقبہ میں تیرہ لاکھ نو ہزار پانچ سو ایک مربع میل کا اضافہ ہوا اور یوں پچیس لاکھ گیارہ ہزار چھ سو بینسٹھ مربع میل زمین آپ کے زیرنگیں آ گئی۔ یہ تمام علاقہ بغیر آرگنائز آرمی کے فتح کیا۔ آپ کی ان فتوحات میں اس وقت کی دو سپر پاور طاقتیں روم اور ایران بھی ہیں۔ آج سٹیلائٹ میزائل اور آبدوزوں کے دور میں دنیا کے کسی حکمراں کے پاس اتنی بڑی سلطنت نہیں ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے کسی ساتھی نے ان کی حکم عدولی نہیں کی، وہ ایسے عظیم مدبر ومنتظم تھے کہ عین میدان جنگ میں اسلام کے مایہ ناز کمانڈر سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کو معزول کردیا اور کسی کو یہ حکم ٹالنے اور بغاوت کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جن علاقوں کو فتح کیا وہاں آج بھی سیدنا عمر فاروق کا نظریہ موجود ہے، دن رات کے پانچ اوقات میں مسجد کے میناروں سے اس نظریے کا اعلان ہوتا ہے۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے دنیا کو ایسے سسٹم دیے جو آج تک دنیا میں موجود ہیں۔ آپ کے عہد میں باجماعت نماز تراویح کا باقاعدہ سلسلہ شروع ہوا، آپ کے دور میں شراب نوشی کی سزا 80 کوڑے مقرر ہوئی، سن ہجری کا اجرا کیا، جیل کا تصور دیا، مؤذنوں کی تنخواہیں مقرر کیں، مسجدوں میں روشنی کا بندوبست کروایا، باوردی پولیس، فوج اور چھاؤنیوں کا قیام عمل میں لایا گیا، آپ نے دنیا میں پہلی بار دودھ پیتے بچوں، معذوروں، بیواؤں اور بے آسرا لوگوں کے وظائف مقرر کیے۔ آپ نے دنیا میں پہلی بار حکمرانوں، گورنروں، سرکاری عہدے داروں کے اثاثے ڈکلیئر کرنے کا تصور دیا۔ آپ جب کسی کو سرکاری عہدے پر فائز کرتے تھے تو اس کے اثاثوں کا تخمینہ لگوا کر اپنے پاس رکھ لیتے اور اگر عرصہ امارت کے دوران عہدیدار کے اثاثوں میں کوئی غیر معمولی اضافہ ہوتا تو اس کی تحقیق کرتے۔ یہ وہ سسٹم ہے جس کو دنیا میں کوئی دوسرا شخص متعارف نہ کروا سکا، دنیا کے 245 ممالک میں یہ نظام کسی نہ کسی صورت میں موجود ہے۔ ان حقائق کی روشنی میں زبان وقلم بے اختیار گواہی دیتا ہے کہ دنیا کا سکندر اعظم عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہیں۔

امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو حج سے واپسی کے بعد ابولؤلو نامی مجوسی ایرانی غلام، جس کی قبر آج بھی معلوم ہے اور ایرانی اسے بابا فیروز کے نام سے یاد کرتے ہیں، فیروز نامی پتھر بھی اسی بدترین دشمن اسلام کی طرف منسوب ہے، نے خنجر کے پے درپے تین وار کرکے شدید زخمی کردیا۔ آپ تین دن اسی حالت میں رہے، مگر نماز کوئی نہ چھوڑی، پھر یکم محرم الحرام کو دس سال پانچ مہینے اور اکیس دن مسند خلافت پر متمکن رہنے کے بعد 63 برس کی عمر میں آپ شہید ہوگئے۔ آپ اکثر یہ دعا فرمایا کرتے تھے: **"اللھم ارزقنی الشھادۃ فی سبیلك، واجعل موتی فی بلد رسولك صلی اللہ علیہ وسلم."** (الٰہی! تو مجھے اپنی راہ میں شہادت کی موت عطا فرما اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر مدینے میں مرنا نصیب فرمایا)۔

آپ نے وصیت کرتے ہوئے فرمایا: جب مجھے قبر میں رکھ دو تو میرا گال زمین سے یوں ملا دینا کہ اس کے اور زمین کے درمیان کوئی چیز حائل نہ رہے۔ آپ کو بیری کے پتوں سے پانی گرم کرکے غسل دیا گیا اور دو

چادروں اور جو قمیص پہن رکھی تھی اس میں کفنایا گیا۔ وصیت کے مطابق آپ کی نماز جنازہ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے چار تکبیروں کے ساتھ پڑھائی اور یکم محرم الحرام کو روضۂ رسول میں دفن ہونے کی سعادت پائی۔ (اسد الغابہ، طبقات کبریٰ)

ہر ذی روح کو پیام اجل کو لبیک کہنا ہے اور ہر نفس نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے، ویسے تو دنیا سے لاکھوں لوگ رخصت ہوئے، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے دنیا سے پردہ فرمایا تو کیا سماں تھا؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تاثرات کیا تھے؟ ملاحظہ کیجیے:

آپ پر قاتلانہ حملہ ہوا تو مہاجرین وانصار نے کہا: اللہ تعالیٰ ہماری عمریں بھی آپ کو لگادے۔ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم نے آپ کے چہرے سے کفن کا کپڑا ہٹا کر کہا: اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ مجھے سب سے زیادہ محبوب تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اللہ کی قسم! میرے گمان میں خاردار درخت بھی آپ کے وصال پر غمزدہ ہیں۔ (طبقات کبریٰ)

رضی اللہ عنہ وارضاہ

رضوان کے سالانہ خریداروں سے گزارش

یہ بات آپ کے علم میں ہے کہ ماہنامہ رضوان کی اشاعت خالص تبلیغی مقاصد کو پیش نظر رکھ کر کی جاتی ہے۔ کوئی تجارتی کاروباری مفاد اس اشاعت میں پیش نظر نہیں ہے۔ چنانچہ ۴۰ صفحات کے اس رسالے کی قیمت انتہائی کم (فی شمارہ صرف بیس روپے اور سالانہ خریداری -/200 روپے) ہے۔ ہمارے پیش نظر نفع بخش کاروبار نہیں بلکہ ہم اپنے وسائل میں رہتے ہوئے رضوان کے ذریعے بیش بہا مضامین شائع کرتے ہیں۔ اس ضمن میں رضوان کے سالانہ خریدار بھی اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔ اگر تمام سالانہ خریدار اپنی ذمہ داری محسوس کرتے ہوئے بروقت اپنی سالانہ رقوم ''ادارہ رضوان'' کو بھیج دیں تو وہ بھی ہماری ان تبلیغی کوششوں میں معاون ہوں گے۔

سالانہ خریداروں سے گزارش ہے کہ مدت خریداری ختم ہونے پر زر سالانہ کی ترسیل میں جلدی فرمائیں۔ ہر ماہ سرخ نشان کے ذریعہ ان کو اطلاع دی جاتی ہے۔ اور منی آڈر فارم بھی روانہ کیا جاتا ہے۔ تاکہ یاد دہانی ہو سکے۔

یاد رکھئے! زر سالانہ کی بروقت عدم وصولی سے ادارے پر مالی بوجھ بڑھتا ہے اور پچھلے کچھ عرصے سے اس میں اضافہ ہی ہوا ہے لہٰذا سالانہ خریداروں سے گزارش ہے کہ رضوان کی مدت خریداری ختم ہوتے ہی زر سالانہ کی ادائیگی کریں تاکہ ادارے پر مالی بوجھ نہ پڑے بصورت دیگر اگر آئندہ ''رضوان'' خریدنا نہیں چاہتے، تب بھی خط لکھ کر یا بذریعہ فون اس بارے میں دفتر رضوان کو مطلع فرمادیں۔ نیز اپنا خریداری نمبر یا جس نام سے رسالہ جاری ہے وہ پتہ صاف اور خوشخط ضرور لکھیں۔ آپ کا تعاون اس دینی سعی وکاوش میں ہمارے لئے نہایت اہم اور ''رضوان'' کے معیار میں اضافے کے ساتھ آپ کیلئے کار خیر کا ذریعہ بن سکتا ہے۔

قارئین رضوان سے گذارش ہے وہ اپنا سالانہ چندہ مندرجہ ذیل اکاؤنٹ میں جمع کر سکتے ہیں۔

Bombay Mercantile Co-operative Bank, Lucknow-18

Name of Account "RIZWAN MONTHLY", Account No. : 205110100005299

IFSC Code : UTIBOSBMCBI

نوٹ: رقم ڈالنے کے بعد دفتر کو مطلع ضرور کریں ورنہ رقم آپ کے کھاتہ میں منتقل نہ ہوگی۔ اس نمبر پر مطلع کریں Cantt. No. : 9415911511

مفتی عبدالمنعم فاروقی

دعا رب کی عبادت اور عبد کی ضرورت، پھر اتنی غفلت کیوں؟

پروردگار عالم نے انسانوں کو مجموعہ حاجات بنا کر پیدا فرمایا ہے، انسان قدم قدم پر اپنے پیدا کرنے والے کا محتاج اور اُس کی مدد کا طالب ہے چنانچہ پروردگار عالم نے انسانوں کو اپنی کتاب قرآن حکیم کے ذریعہ پیغام دیا کہ ہر حالت اور ہر موقع پر وہ اُسی کو پکاریں، اسی سے فریادرسی کریں اور اسی کے سامنے اپنی حاجتیں پیش کریں یقیناً وہ تمہاری دعائیں قبول کرنے والا ہے ارشاد خداوندی ہے۔ "ادعونی استجب لکم" تم مجھ سے مانگو میں تمہیں عطا کروں گا۔ دعا کیا ہے! درحقیقت اللہ تعالیٰ سے مانگنے کا بہترین طریقہ ہے، دعا کے ذریعہ کامل عبدیت کا اظہار ہوتا ہے، جب بندہ حضورِ قلبی کے ساتھ اپنے پروردگار کو پکارتا ہے تو وہ نہ صرف اس کی پکار سنتا ہے بلکہ مانگنے سے بہت بڑھ کر عنایت فرماتا ہے۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: پروردگار عالم کے یہاں دعا سے زیادہ کوئی چیز عزت والی نہیں۔ (ترمذی:۳۳۷۰)۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کو مومن کا ہتھیار، دین کا ستون اور زمین و آسمان کا نور فرمایا ہے۔ (مستدرک حاکم: ۱۸۱۲)، رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے جس کے لئے دعا کا دروازہ کھل گیا تو سمجھو اُس کے لئے رحمت کے دروازے کھل گئے۔ (ترمذی:۳۵۴۸)، دعا کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ وہ بذات خود ایک اہم ترین، مہتم بالشان عبادت اور تقرب الٰہی کا مبارک زینہ ہے، رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: دعا بذات خود ایک عبادت ہے۔ (ترمذی:۲۹۶۹)، دعا مانگنے والے کو پروردگار عالم اپنے لامحدود خزانوں سے بے پناہ نوازتے ہیں، اس کے خزانوں کا موازنہ کسی دنیوی بادشاہ کے خزانوں سے ہرگز نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ نکالنے اور خرچ کرنے سے دنیوی بادشاہوں کے خزانوں میں کمی ہوتی ہے، لیکن پروردگار عالم کے خزانوں کا معاملہ ایسا نہیں بلکہ اس کے خزانوں کا یہ عالم ہے کہ انسانوں اور جناتوں میں کے اولین و آخری منہ مانگی مرادیں پوری کرنے کے باوجود بھی اس میں ذرا سی بھی کمی واقع نہیں ہوتی، رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اگر اولین و آخرین، انسان و جنات، زندہ و مردہ، خشک مخلوق اور تر مخلوق سب بیک وقت ایک میدان میں کھڑے ہوکر اللہ تعالیٰ سے سوال کرے اور ان میں سے ہر ایک اپنے فہم کی رسائی تک مانگے اور اللہ تعالیٰ ہر مانگنے والے کو دیتے چلے جائیں تو اُس کے خزانوں میں سے صرف اتنی کمی ہوگی جتنی کہ سوئی کو سمندر میں ڈال کر نکالنے سے سمندر میں کمی ہوتی ہے۔ (مسلم:۲۵۷۷) (اور یہ بھی صرف سمجھانے کے لئے ہے ورنہ غیر متناہی کے سامنے متناہی کو یہ بھی نسبت نہیں ہے)۔

پروردگار عالم وہ عظیم بادشاہ ہیں جو مانگنے پر خوش اور نہ مانگنے پر ناراض ہوتے ہیں اور اس کے برعکس دنیوی بادشاہ مانگنے پر ناراض اور نہ مانگنے پر خوش ہوتے ہیں، ایک حدیث میں رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں ارشاد فرمایا کہ "جو شخص اللہ تعالیٰ سے سوال نہیں کرتا تو اللہ تعالیٰ اس سے ناراض ہوجاتے ہیں۔" (ابن ماجہ:۳۸۲۷)، وہ تو پکارنے اور مانگنے والوں کی پکار اور دست سوال کا ہر وقت منتظر رہتا ہے بلکہ اُس کی رحمت، شفقت، عنایت

اور عطا دیکھئے کہ اکثر و بیشتر تو مانگنے والوں کو مانگنے سے بہت پہلے ہی دے دیا کرتا ہے شاعر کہتا ہے۔

سنتے آئے ہیں کہ سنتا ہے صدا سے پہلے
مانگنے والوں کو دیتا ہے دعا سے پہلے

یہی وجہ ہے کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو زندگی کے ہر موڑ پر، ہر کام پر چاہے وہ چھوٹی سی چھوٹی، معمولی سے معمولی اور بڑی سے بڑی یا پھر غیر معمولی ہی کیوں نہ ہو ہر چیز اُسی ہی سے مانگنے کی تعلیم دی ہے، حتیٰ کہ اگر چپل کا تسمہ بھی ٹوٹ جائے تو وہ بھی اُسی سے مانگنے کی تلقین فرمائی، کیونکہ وہی ہے جو مخلوق کی تمام ضروریات کا علم رکھتا اور ان کی حاجات پوری کرتا ہے، بہت سی احادیث میں مانگنے کے الفاظ سکھلائے اور بتلائے گئے ہیں۔

مشہور صحابی ابن عباسؓ فرماتے ہیں ایک دن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے چل رہا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے لڑکے اللہ تعالیٰ کا خیال رکھو تو اللہ تعالیٰ بھی تمہارا خیال رکھے گا، اللہ تعالیٰ کا خیال رکھو تو تم اس کو اپنے پاس پاؤ گے، اور جب تم سوال کرو تو بس اللہ تعالیٰ سے سوال کرو اور جب تم مدد چاہو تو صرف اللہ تعالیٰ ہی سے مدد چاہو اور اس کا یقین رکھو کہ اگر ساری دنیا اس مقصد کے لئے جمع ہو جائے کہ تمہیں کچھ نفع پہنچائے تو اس کے سوا کچھ نفع نہیں پہنچا سکتی جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے لکھ دیا ہے اور اگر ساری مخلوق اس مقصد کے لئے جمع ہو جائے کہ تمہیں کچھ ضرر پہنچائے تو اس کے سوا کچھ ضرر نہیں پہنچا سکتی جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے لکھ دیا ہے، پھر فرمایا کہ فیصلے لکھنے والے قلم اٹھا لیے گئے اور صحیفے سوکھ چکے یعنی جو ہونا تھا لکھ دیا گیا اب اس میں رد و بدل نہیں ہوگا۔ (مشکوٰۃ)۔ اس حدیث شریف میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین اہم ترین اور جامع ترین نصیحتیں فرمائی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ جب بھی مانگنا ہو تو صرف اللہ تعالیٰ ہی سے مانگو، حرج مرض انسان کا ساتھی ہے، اس کے بغیر وہ دنیوی زندگی گزار نہیں سکتا، انسان اپنی حاجت پوری کرنے کے لئے عالم اسباب میں کوشش اور سعی کرتا رہے مگر اس کے پورا ہونے کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کے ذریعہ مدد بھی طلب کرتا رہے اور اس کے سامنے دست سوال دراز کرتا رہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی ہیں جو بندوں کے آڑے وقتوں میں کام آتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے طلب نہ کرنا، اس سے نہ مانگنا اور در در کی ٹھوکریں کھاتے پھرنا بڑی حماقت کی بات ہے، ایسے لوگوں کے بارے میں سورۂ مومن میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: مجھے پکارو میں تمہاری درخواست قبول کروں گا، جو لوگ میری عبادت سے سرتابی کرتے ہیں (جس میں دعا نہ کرنا بھی شامل ہے) وہ عنقریب ذلیل ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے، مذکورہ آیات و احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ دعا اہل ایمان کے لئے بیش قیمت اثاثہ، پروردگار سے تعلق کا اہم ذریعہ، عاجزی کے ساتھ اپنے احوال سے مطلع کرنے کا انبیائی طریقہ ہے، قرآن مجید شاہد ہے کہ جب قوموں نے مال و دولت کے نشے میں اور قوت و اقتدار کے گھمنڈ میں آ کر انبیاء کی نہ صرف تکذیب کی بلکہ ان کے ساتھ اہل ایمان کو بھی ظلم و ستم کا نشانہ بنایا تو ان نافرمان، ہٹ دھرم، ظالم اور حق کی مخالفت قوم کے مقابلہ کے لئے انبیاءؑ نے دعا ہی کا سہارا لیا تھا اور دعا کے بعد ہی پروردگار عالم نے طاقت کے نشے میں چور قوموں کو صفحہ ہستی سے مٹا کر ہمیشہ کے لئے عبرت کا نشان بنا دیا تھا، جن کی داستان عبرت قرآن مجید کی متعدد سورتوں میں ذکر کی گئی ہیں نیز ان کی جائے رہائش آج بھی درس عبرت بنی ہوئی ہیں، اسی طرح تاریخ اسلام کے اوراق گواہ ہیں کہ مسلمانوں نے صرف اسی ہتھیار یعنی دعا ہی کے ذریعہ بڑے بڑے معرکوں میں کامیابی حاصل کی، حق و باطل کا وہ پہلا معرکہ غزوۂ بدر جسے قرآن مجید نے "یوم الفرقان" کا نام دیا ہے اس معرکہ میں مسلمانوں کی عظیم الشان فتح و کامیابی کے پیچھے دراصل رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی عاجزانہ، مضطربانہ اور بے تابانہ دعا ہی تھی، جس وقت آپ صلی اللہ

علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کی قلت و بے سروسامانی اور دشمنوں کی کثرت و قوت دیکھی تو نماز کے لئے کھڑے ہوئے اور دو رکعت نماز پڑھی اور دعا فرمائی اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر خشوع وخضوع کی ایک خاص کیفیت طاری تھی، بارگاہ خداوندی میں کبھی سربسجود و تضرع و ابتہال فرماتے اور کبھی سائلانہ ہاتھ پھیلا پھیلا کر فتح ونصرت کی دعا مانگتے، شیر خدا سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ بدر کے دن میں نے کچھ قتال کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف آیا تو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سربسجود ہیں اور ''یا حی یا قیوم'' کہتے جارہے ہیں، میں تین دفعہ آیا اور تینوں دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی حالت میں پایا پھر چوتھی دفعہ آیا تو دیکھا کہ آپ کی دعا قبول ہوگئی اور اللہ نے آپ کو فتح عطا فرمادی۔ (نسائی: ۱۰۴۴۷)

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنی امت کو ہر حال میں اور ہر حالت میں دعا کرتے رہنے کی تلقین فرمائی ہے اور اس باب میں خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ بھی موجود ہے، ایک سچے اور پکے مسلمان کی پہچان بھی یہی ہے کہ وہ ہر حال میں اپنے پروردگار ہی کو پکارتا ہے اور جس وقت بھی اسے کوئی ضرورت درپیش ہوتی ہے تو اسی کے دروازہ کو کھٹکھٹاتا ہے اور اسی سے فریاد رسی کرتا ہے اور اسی کے سامنے اپنی ضرورت و حاجت رکھتا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ دعا ہی ایک ایسی شے ہے جس کے سہارے پروردگار عالم کی رحمت سے بھرپور استفادہ کیا جاسکتا ہے، اسی کے ذریعہ دشمن پر غلبہ حاصل کیا جاسکتا ہے اور اسی میں اہل ایمان کی تمام مشکلوں کا حل موجود ہے۔

لیکن مسلمانوں کے موجودہ حالات و کیفیات اور دیگر اقوام کے مقابلہ میں ان کی تنزلی، بے بسی و بے چارگی کو دیکھ کر تعجب ہوتا ہے، ان کے عقلوں پر رونے کو جی چاہتا ہے کہ یہ دعا جیسی قیمتی چیز رکھ کر بھی بے سروسامانی کا شکار ہیں، اس قدر نایاب قیمتی نسخہ ساتھ ہونے کے باوجود بھی مرض تنزلی میں مبتلا ہیں، اس قدر موثر اور بے حد اثر دار ہتھیار ساتھ رکھتے ہوئے بھی شکستوں پر شکست کھاتے جارہے ہیں اور دعا کے ذریعہ خدائی مدد لینے کے بجائے غیروں سے مدد مانگتے پھر رہے ہیں، مسلمان بھول گئے ہیں کہ دعا ان کے لئے نعمت غیر مترقبہ ہے، خود نبی رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کثرت سے دعا فرمایا کرتے تھے، آندھی و طوفان اور دیگر ناگہانی آفات کے موقع پر بطور خاص نماز و دعا میں مشغول ہوکر پروردگار عالم سے استعانت طلب کرتے تھے، غزوات میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی معمول تھا کہ دشمنان اسلام سے مقابلہ کے وقت دعا کو بطور ہتھیار استعمال کیا کرتے تھے اور نظر نہ آنے والا ہتھیار اپنا ایسا اثر دکھاتا تھا کہ دشمنوں کے ہوش اُڑ جاتے، وہ شکست خوردہ ہوکر سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ کھڑے ہوجاتے اور اہل ایمان ظاہری اسلحہ کے ساتھ دعا کے ذریعہ دشمنوں پر فتح پالیتے تھے، لیکن شاید آج کا مسلمان دعا کی افادیت واہمیت سے بالکل بے پرواہ ہوگیا ہے، یا دعا کی عظمت و ہیبت اور اس کے فوائد وثمرات سے ناواقف ہے یا پھر دعا کے آداب وطریقے سے ناآشنا ہے، حالاکہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو دیگر عبادات کی طرح دعا کی اہمیت اور اس ثمرآور نتائج سے خوب خوب واقف کروایا ہے، نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آداب دعا بھی سکھلائے ہیں بلکہ قبولیت دعا کے اوقات اور ان خاص گھڑیوں کی بھی نشاندہی فرمائی ہے کہ جن میں دعائیں یقیناً قبول ہوتی ہیں، دعا کی قبولیت کا مدار آداب دعا پر موقوف ہے، دعا کے لیے آداب کلید کی حیثیت رکھتے ہیں، جب بندہ دعا میں آداب کی رعایت کرتا ہے تو رحمت خداوندی اس کی جانب متوجہ ہوتی ہے اور اس کے لئے رحمت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، دعا مانگنے والے کے لئے بوقت دعا ان چیزوں کا لحاظ ضروری ہے۔ ''حضور قلبی'' اس کے بغیر دعا قبول نہیں ہوتی ہے، رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے

ارشاد فرمایا کہ پروردگار عالم غافل اور بے پرواہ لوگوں کی دعائیں قبول نہیں کرتا۔ (ترمذی:۳۴۷۹)۔ ''قبولیت کا کامل یقین'' دعا مانگنے والا قبولیت دعا کا کامل یقین رکھتے ہوئے دعا مانگے۔ ''دعا مانگتے وقت ذات خداوندی پر نظر ہو'' دعا مانگتے وقت اپنی ذات پر نہیں بلکہ پروردگار عالم کی ذات اور اس کی عالی قدرت پر نظر رکھے، یقیناً وہ ایسے لامحدود خزانے کا مالک ہے کہ جس میں سے نکالنے پر ذرہ برابر بھی کمی واقع نہیں ہوتی، رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: اگر اگلے پچھلے، جن وانس جمع ہوکر سوال کرے اور میں اسے پورا کردوں تو تب بھی میرے خزانے میں اتنی بھی کمی نہ ہوگی جتنی کہ سمندر میں سوئی ڈبو کے نکالنے سے ہوتی ہے۔ (مسلم:۲۵۷۷)۔ ''دعا میں عاجزی و انکساری ضروری'' بوقت دعا عاجزی وانکساری اور خاکساری وتذلل کا بھرپور اظہار کرنا چاہیے، پروردگار عالم کو اپنے بندوں کی عاجزی بہت پسند ہے، جو بندہ نہایت عاجزانہ انداز سے، تکلفات سے پاک کلمات کے ذریعہ، شکل وصورت سے عاجزی و درماندگی کا اظہار کرتے ہوئے، آنکھوں سے اشک بہاتے ہوئے اور دل سے گریہ کناں ہوتے ہوئے دعا مانگتا ہے تو ایسے بندہ کی دعا جلد قبول ہوتی ہے، قرآن مجید میں دعا مانگنے والوں سے کہا گیا کہ: اپنے دل میں عاجزی اور خوف لاتے ہوئے اپنے رب کو یاد کیا کرو۔ (الاعراف:۲۰۵)۔ ''دعا مانگتے وقت دونوں ہاتھ کندھوں تک اُٹھائے'' دعا مانگتے وقت اپنے دونوں ہاتھوں کو کندھوں تک یا سینے تک اُٹھائے اور دونوں ہاتھوں کے درمیان قدرے فاصلے رکھے، اس طرح سے اپنے سوالی وحاجت مند ہونے کے ساتھ بندگی کا بھرپور اظہار ہوتا ہے، دعا کے بعد اپنے دونوں ہاتھوں کو چہرے پر پھیرلیں رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ ایسے ہی دعا فرمایا کرتے تھے۔ (طحطاوی، ص:۲۵۷، ہندیہ: ۵/۳۱۸، ترمذی:۳۷۱۴) ام المؤمنین حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم دعا میں اپنے ہاتھوں کو اتنی دیر تک اُٹھائے رکھتے تھے کہ میں دیکھتے دیکھتے تھک جاتی، بہت سے لوگ خلاف سنت اور خلاف ادب دعا کرتے ہیں، حالانکہ دعا مانگنے والا اچھی طرح جانتا ہے کہ وہ کس کے دربار عالی میں ہاتھ اٹھایا ہے اور کس عالی مرتبت سے دعا مانگ رہا ہے، کوئی سر کے بال درست کرنے میں مشغول ہے تو کوئی ناک، منہ صاف کرنے میں لگا ہے تو کوئی لباس سے کھیل رہا ہے تو کوئی موبائل میں معروف ہے، بعضے حضرات تو ہاتھوں کو اٹھانا بھی گوارا نہیں کرتے، کسی مانگنے والے فقیر کی ذرا سی بے توجہی پر تو ہم برہم ہوجاتے ہیں اور کچھ دینے کے بجائے ڈانٹ دیتے ہیں اور ہم ہیں کہ دعا مانگتے وقت ذرا سا بھی خیال نہیں کرتے کہ کس شہنشاہ کے دربار میں سوالی بن کر کھڑے ہیں، دعا مانگنے والوں کے حرکات وسکنات، بے دلی، بے پرواہی اور بے توجہی کو دیکھ کر جی گھبرانے لگتا ہے کہ کہیں ان گستاخیوں پر پروردگار عالم کا غضب اتر نہ جائے، قرآن مجید میں پروردگار سے مانگنے کا بڑا پیارا اور نہایت خوبصورت طریقہ بتلایا گیا ہے: تم لوگ اپنے پروردگار سے دعا مانگو تو تذلل ظاہر کرتے ہوئے اور چپکے چپکے مانگا کرو۔ (الاعراف:۵۵)۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت وعنایت تو دیکھئے کہ اپنی امت کو آداب دعا کے ساتھ وہ اوقات بھی بتلائے ہیں جن میں خصوصیت کے ساتھ دعائیں قبول ہوتی ہیں، قبولیت دعا کے اوقات بھی بتلائے ہیں جن میں خصوصیت کے ساتھ دعائیں قبول ہوتی ہیں، قبولیت دعا کے اوقات میں بھی خاص کر دو وقت ایسے ہیں کہ جن میں رحمت خداوندی جوش میں ہوتی ہے، چنانچہ کسی موقع پر حضرات صحابہؓ نے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ: ایّ الدعا اسمع؟ قال: جوف اللیل الآخر ودبر الصلوٰۃ المکتوبات۔ (ترمذی: ۳۸۳۸)۔ ''کون سے وقت میں دعا زیادہ قبول ہوتی ہے؟ تو

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: رات کے آخری حصہ میں اور فرض نمازوں کے بعد" بڑے خوش قسمت، لائق تقلید بلکہ قابل رشک ہیں وہ لوگ جو ان اوقات سے بھرپور فائدہ اٹھاتے ہیں اور پروردگار عالم کے لامحدود خزانوں سے بہت کچھ لے لیتے ہیں، ہمارا حال یہ ہے کہ رات کا آخری حصہ عموماً نیند کی نذر ہو جاتا ہے اور بہت سوں کی تو فرض نمازیں ہی چھوٹ جاتی ہیں تو پھر دعا کا کیا سوال، اور جو لوگ نمازوں کے پابند ہیں ان میں بھی بعض لوگ وہ ہیں جو فرض نماز کا سلام پھیرتے ہی بڑی تیزی سے مسجد سے نکل جاتے ہیں جس کے نتیجہ میں دعا جیسی عظیم عبادت، خدا کی نعمت اور رحمت سے محروم رہ جاتے ہیں اور جو حضرات دعا مانگتے ہیں ان میں بھی بہت سے نہایت بے دلی اور لاپرواہی سے دعا کرتے ہیں، بس چند لوگ ہیں جو پورے خشوع وخضوع کے ساتھ دعا مانگتے ہیں اور رب سے بہت کچھ پاتے ہیں۔

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کی نشاندہی فرمائی ہے کہ جن کے اعمال بد اور خدا کو ناراض کرنے والے کاموں کی وجہ سے دعا قبول نہیں ہوتی، رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم تاکیداً اُن سے بچنے کی تعلیم بھی فرمائی ہے بڑے محروم القسمت اور نہایت بدنصیب ہیں وہ لوگ کہ جن کے پکارنے اور لبیک کہنے پر "لا لبیک" کا جواب آتا ہے انہیں چاہیے کہ اولین وقت میں ان گناہوں سے توبہ کریں اور آئندہ نہ کرنے کا عزم مصمم کرلیں، منجملہ ان میں سے چند یہ ہیں، حرام غذا کھانے والا وحرام لباس پہننے والا، ظلم وتکبر کرنے والا، فرائض و واجبات چھوڑنے والا، سود کھانے اور حرام کمائی کرنے والا، ماں باپ کی نافرمانی کرنے والا اور دین میں نئی نئی باتیں نکالنے والا۔

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو جہاں ہر کام کے لئے دعا مانگنے کی ترغیب دی ہے وہیں ضروری تدبیر اختیار کرنے کی تعلیم بھی دی ہے، بہت سے لوگ ضروری تدبیر اختیار کئے بنا ہی دعا مانگنے میں مشغول ہو جاتے ہیں حالانکہ علماء نے لکھا ہے کہ تدبیر اختیار نہ کرتے ہوئے صرف دعا پر اکتفا کرنا سخت بے ادبی ہے، اس سلسلہ میں خود رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ موجود ہے، کسی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اونٹ کھلا چھوڑ کر اللہ پر بھروسہ کروں یا باندھ کر تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا: **اعقلها و توكل.** (ترمذی: ۲۷۰۷) "پہلے اونٹ کے پیر باندھ دو پھر اللہ پر بھروسہ کرو" کیونکہ پروردگار عالم کی مدد اس دعا کے ساتھ اترتی ہے جو تدبیر کے بعد کی جاتی ہے۔

○○○

بقیہ..... اختلاف اُمت، نجات کی راہ

اور ائمہ اربعہ نے اپنے اپنے علم کی بنیاد پر قرآن اور حدیث کی روشنی میں اپنی رائے بیان کی ہے۔ یہ وہ مسائل ہیں جن میں اختلاف کی گنجائش موجود ہے اور اسی لیے اس میں اپنی ہی رائے پر تشدد کی حد تک اصرار اختلاف سے بڑھ کر مخالفت کا سبب بن جاتا ہے اور نتیجہ امت میں تفرقہ کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔

اختلافی اُمور میں سلف کا طرزِ عمل ہمارے لیے روشنی کا مینار ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ کے زمانے میں ابوجعفر منصور اسلامی دنیا کے خلیفہ تھے۔ انہوں نے امام صاحب کو تجویز دی کہ ان کی کتاب موطا کو تمام مملکت کا قانون بنا دیا جائے جسے امام مالک رحمہ اللہ نے قبول نہ کیا اور کہا کہ: رسول اللہ کے صحابہ پوری دنیا میں پھیل چکے ہیں اور ہر ملک والوں کے پاس اپنا اپنا علم ہے۔ اگر آپ سب کو ایک رائے پر مجبور کریں گے تو فتنہ کھڑا ہو جائے گا۔ اُمت مسلمہ باہمی اختلافات و انتشار سے جس کمزوری سے دوچار ہے اُس سے نجات کی راہ قرآن وسنت کو مضبوطی سے تھامنے اور اس سے رہنمائی لینے، نیز اختلافی مسائل میں اعتدال کی راہ اپنانے میں ہے۔ اسی طرزِ عمل کے نتیجے میں اُمت میں اختلاف وانتشار کا سدباب ہو سکے گا۔

○○○

محرم الحرام میں شادی بیاہ کا حکم

مفتی محمد راشد ڈسکوی

اسلامی سال کے پہلے مہینے محرم الحرام کو سال کی بارہ مہینوں میں خاص طرح کا امتیاز حاصل ہے، صحیح البخاری میں ایک حدیث مبارکہ ہے، جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر ایک طویل اور نہایت ہی قیمتی نصائح پر مشتمل خطبہ ارشاد فرمایا، اس میں یہ بات بھی تھی کہ

”(اس وقت) زمانہ اسی رفتار اور ہیئت پر آچکا ہے، جس دن اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کو پیدا فرمایا تھا، ایک سال بارہ مہینے کا ہوتا ہے، ان میں سے چار مہینے حرمت والے ہیں، جن میں سے تین مہینے یعنی: ذوالقعدہ ذوالحجہ اور محرم الحرام تو مسلسل ہیں اور ایک ”رجب“ کا مہینہ ہے، جو جمادی الاخری اور شعبان کے درمیان آتا ہے۔(صحیح بخاری، رقم الحدیث 4294)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مختلف فرامین کے مطابق اس ماہ مبارک میں کیے جانے والے اعمال کا اجر بنسبت دیگر ایام یا مہینوں کے زیادہ ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مہینے میں روزے رکھنے کے بارے میں ارشاد فرمایا: ”رمضان المبارک کے بعد افضل ترین روزے اللہ تعالیٰ کے یہاں محرم الحرام کے روزے ہیں۔“ (صحیح مسلم، رقم الحدیث 1163)

علمائے کرام فرماتے ہیں کہ اس مہینے میں فضیلت محض روزے رکھنے کی ہی نہیں ہے، بلکہ ہر نیک عمل بہت بڑھا ہوا ہے، چنانچہ اعمال میں سے ایک بڑا اور اہم عمل نکاح کا بھی ہے، معاشرے میں ماہِ محرم الحرام سے متعلق کچھ ایسا تصور اور رجحان عام ہو چکا ہے کہ اس مہینے میں نہ نکاح کرنا ہے اور نہ ہی شادی، حالانکہ شریعت کا مزاج اور احکامات اس کی صریح نفی کرتے ہیں۔

”عمل نکاح“ چاہے کسی مہینے میں ہو، یہ اپنی اصل کے اعتبار سے مباح ہے اور مباح کام کا ناجائز ہونا کسی واضح ممانعت سے ممکن ہوتا ہے۔ لیکن اس مہینے میں، یا اس کے علاوہ کسی اور بھی مہینے میں شریعت کی طرف کسی قسم کی کوئی ممانعت نہیں ملتی، نہ کتاب وسنت میں، نہ اجماع امت سے اور نہ ہی قیاس وغیرہ سے۔ چنانچہ جب ایسا ہے تو نکاح اپنی اصل (مباح ہونے) کے اعتبار سے جائز ہی رہے گا۔

بلکہ اس سے آگے بڑھ کر یہ کہا جاسکتا ہے کہ فقہائے کرام کا اس بات پر (کہ محرم یا اس کے علاوہ کسی بھی مہینے میں نکاح کرنا ناجائز نہیں ہے)۔ کم از کم اجماع سکوتی ہے۔ کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین وتبع تابعین اور متقدمین یا متاخرین فقہاء میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہیں ہے جو اس ماہ مبارک میں شادی، بیاہ وغیرہ کو ناجائز قرار دیتا ہو۔ لہٰذا اگر کوئی اس کو منع بھی کرتا ہوگا تو اس کا منع کرنا بغیر دلیل کے ہوگا اور کسی بھی درجہ قابل اعتبار نہیں ہوگا۔

اس ماہ میں نکاح سے منع کرنے کی بنیاد کیا ہے؟ چنانچہ تتبع سے عقلاً اس کی بنیاد اس مہینے کا منحوس ہونا ہو سکتی ہے، یا غم والا مہینہ ہونا (جس کی بنا پر سوگ کو لازم سمجھا جاتا ہے اور سوگ والے دنوں یا مہینوں میں شادی کو ناجائز سمجھا جاتا ہے)۔ ذیل میں ہر دو امر کا جائزہ لیا جاتا ہے۔

کیا ماہ محرم نحوست والا مہینہ ہے؟

مزاج شریعت سے معمولی سوج بوجھ رکھنے والا شخص بھی اس مہینے کی نحوست کا قائل نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ شریعت محمدیہ علی صاحبہا الف الف صلوات سے بہت پہلے سے ہی اس مہینے کا معزز ومکرم اور صاحب

شرف ہونا مشہور و معروف چلا آرہا ہے، حتیٰ کہ زمانے کی ابتدا سے اب تک ہر ذی شان کام کا اسی مہینے میں وقوع پذیر ہونا زبان زدعام ہے۔ بلکہ روایات کے مطابق تو وقوع قیامت کا عظیم الشان واقعہ بھی اس مہینے میں ہوگا۔

چنانچہ اتنا سب کچھ ہوتے ہوئے اس مہینہ کو نحوست والا قرار دینا ممکن ہی نہیں، لہٰذا اس بنا پر تو اس مہینے میں نکاح سے روکنا عقلاً بھی ممکن نہیں ہے۔

کیا ماہ محرم غم والا مہینہ ہے؟

اس مہینے میں شادی سے روکنے والے اگر اس بنیاد پر شادی سے روکتے ہیں کہ یہ غم اور سوگ کا مہینہ ہے، لہٰذا اس مہینے میں خوشی نہیں منانی چاہئے، کیوں؟ اس لیے کہ اس مہینے میں نواسۂ رسول حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے خاندان کے چھوٹوں اور بڑوں کو ظالمانہ طور پر نہایت بے دردی سے شہید کردیا گیا، ان کے ساتھ اظہار ہمدردی کے لئے غم منانا، سوگ کرنا اور ہر خوشی والے کام سے گریز کرنا ضروری ہے، تو یہ انتہائی درجے کی جہالت اور احکامات دینیہ سے ناواقفیت کی علامت ہے، اس لیے کہ ''شہادت'' جیسی نعمت بے بہا کسی بھی طور پر غم کی چیز نہیں ہے، یہ تو سعادت اور فخر کی چیز ہے۔ چنانچہ سوچنا تو یہ ہے کہ ہمیں اس بارے میں شریعت کی طرف سے کیا راہنمائی ملتی ہے؟ تعلیمات نبویہ علی صاحبہا الف تحیہ سے تو یہ سبق ملتا ہے کہ شہادت کا حصول تو بے انتہا سعادت کی بات ہے۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا شوق شہادت

یہی وجہ تھی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ مستقل حصول شہادت کی دعا مانگا کرتے تھے۔ **(صحیح البخاری، کتاب فضائل المدینہ، باب کراھیۃ النبی صلی اللہ علیہ ومسلم ان تعری المدینۃ، رقم الحدیث: 1890، 3/23، دار طوق النجاہ)**

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا شوق شہادت

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ جنہیں بارگاہِ رسالت سے سیف اللہ کا خطاب ملا تھا، وہ ساری زندگی شہادت کے حصول کی تڑپ لیے ہوئے قتال فی سبیل اللہ میں مصروف رہے، لیکن اللہ کی شان کہ انہیں شہادت نہ مل سکی، چنانچہ جب ان کی وفات کا وقت آیا تو پھوٹ پھوٹ کر رو پڑے کہ میں آج بستر پر پڑا ہوا اونٹ کے مرنے کی طرح اپنی موت کا منتظر ہوں۔ **(البدایہ والنہایہ، سنۃ احدی و عشرین، ذکر من توفی احدی و عشرین: 114/7، مکتبۃ المعارف، بیروت)**

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا شوق شہادت

شہادت تو ایسی عظیم سعادت اور دولت ہے، جس کی تمنا خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لیے کی اور امت کو بھی اس کی ترغیب دی، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''میں چاہتا ہوں کہ میں اللہ کے راستے میں جہاد کروں، پھر شہید کردیا جاؤں، (پھر مجھے زندہ کردیا جائے) پھر میں اللہ کے راستے میں جہاد کروں اور شہید کردیا جاؤں، (پھر مجھے زندہ کردیا جائے) پھر میں اللہ کے راستے میں جہاد کروں اور پھر شہید کردیا جاؤں۔'' **(صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب: فضل الجہاد والخروج فی سبیل اللہ، رقم الحدیث 4968)**

الغرض یہاں تو صرف یہ دکھلانا مقصود ہے کہ شہادت تو ایسی نعمت ہے کہ جس کے حصول کی شدت سے تمنا کی جاتی تھی، یہ کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس پر افسوس اور غم منایا جائے، اگر اس عمل کو صحیح تسلیم کرلیا جائے تو پھر غور کرلیا جائے کہ پورے سال کا ایسا کون سا مہینہ یا دن ہے، جس میں کسی نہ

کسی صحابیِ رسول کی شہادت نہ ہوئی ہو، کتب تاریخ اور سیر کو دیکھ لیا جائے، ہر دن میں کسی نہ کسی کی شہادت مل جائے گی، مثلاً:

صفر:3ھ میں مقام رجیع میں 8 صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو شہید کیا گیا۔ صفر:4ھ میں بئر معونہ کے واقعے میں کئی اصحاب صفہ کو شہید کیا گیا۔ صفر:52ھ میں حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا۔

ربیع الاول:18ھ میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا۔ ربیع الاول: 20ھ میں ام المؤمنین حضرت زینب بن جحش رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا۔

ربیع الثانی: 21ھ میں مقام نہاوند میں ایرانی کفار سے لڑائی کے لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دو لاکھ ایرانیوں کے مقابلے کے لئے چالیس ہزار مسلمانوں کی فوج بھیجی جس میں تقریباً تین ہزار مسلمان شہید ہوئے اور کفار کے تقریباً ایک لاکھ افراد واصل جہنم ہوئے اور مسلمانوں کو فتح ہوئی۔ ربیع الثانی: 21ھ میں مشہور صحابی رسولؐ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا۔ ربیع الثانی: 50ھ میں حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا۔

جمادی الاولیٰ:8ھ میں حضرت سراقہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوئی۔ اور اسی سال، اسی مہینے حضرت عبادہ بن قیس رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوئی۔

جمادی الاولیٰ:8ھ میں ہی غزوہ موتہ ہوا، جس میں کئی جلیل القدر اصحاب رسول رضی اللہ عنہم شہید ہوئے۔

جمادی الاخری: 4ھ میں حضرت ابوسلمہ عبداللہ بن عبدالاسد رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا۔

جمادی الاخری: 13ھ میں صحابی رسول ابوکبشہ رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی۔ جمادی الاخری:21ھ میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی۔

جمادی الاخری: 50ھ میں حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ کی وفات ہوئی۔ رجب: 15ھ میں حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی۔ رجب المرجب: 20ھ میں حضرت اُسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی۔ رجب المرجب:45ھ میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی۔ شعبان:9ھ میں بنتِ رسول حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا۔ شعبان:50ھ میں حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا۔ شعبان:93ھ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی۔ رمضان: 10 نبوی میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات ہوئی۔ رمضان:2ھ میں بنت رسول حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی وفات ہوئی۔ رمضان: 11ھ میں بنت رسول حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا۔ رمضان:32ھ میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا۔

شوال:3ھ میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوئی۔ شوال:38ھ میں حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی۔ ذوالقعدہ: 62ھ میں مشہور تابعی حضرت مسلمہ بن مخلدؒ کا انتقال ہوا۔ ذوالقعدہ:106ھ میں حضرت سالم بن عبداللہ بن عمر بن خطاب کا انتقال ہوا۔

ذی الحجہ: 5ھ میں حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی۔ ذوالحجہ: 6ھ میں حضرت ام رومان رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا۔ ذوالحجہ: 12ھ میں حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی۔

اس پوری تاریخ کا مقتضا تو یہ ہے کہ ان میں سے ہر دن کو اظہارِ غم اور افسوس بنایا جائے۔ اور شادی وغیرہ ہر خوشی اور اظہار خوشی سے گریز کیا جائے۔ لیکن ظاہر ہے کہ کوئی بھی ذی شعور اس کو تسلیم نہیں کرسکتا۔

نیز! اس بات کو بھی دیکھا جائے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں بھی تو کئی عظیم اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوب شخصیات کو شہادت ملی، لیکن کیا ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان کی شہادت کے دن کو بطور یادگار کے منایا؟ نہیں، بالکل نہیں، تو پھر کیا ہم اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ غم محسوس کرنے والے ہیں؟ خدارا! ہم اپنے اعمال کا جائزہ لیں اور اس قسم کی شیطانی اور گمراہ کن رسومات سے بچنے کی کوشش کریں۔

شرعاً سوگ کرنے کا حکم

شرعاً سوگ کرنے کی اجازت صرف چند صورتوں میں ہے اور وہ بھی صرف عورتوں کے لئے، نہ کہ مردوں کے لئے:

1-ایسی عورت جس کو طلاق بائن دی گئی ہو، اس کے لئے صرف زمانہ عدت میں۔

2-جس عورت کا شوہر فوت ہو جائے، اس کے لئے صرف زمانہ عدت میں۔

3-کسی قریبی رشتے دار کی وفات پر صرف تین دن کے لئے۔ اس کے علاوہ کسی بھی موقع پر عورت کے لئے سوگ کرنا جائز نہیں ہے اور سوگ کا مطلب یا طریقہ یہ ہے کہ وہ اس عرصہ میں زیب و زینت اور بناؤ سنگھار نہ کرے، زینت کی کسی بھی صورت کو اختیار نہ کرے، مثلاً: خوشبو لگانا، سرمہ لگانا، مہندی لگانا اور رنگ برنگے خوشنما کپڑے وغیرہ پہننا، اس کے علاوہ کوئی صورت اپنانا، مثلاً: اظہارِ غم کے لیے سیاہ لباس پہننا یا بلند آواز سے آہ و بکا اور سیاہ لباس وغیرہ پہننا جائز نہیں۔ نیز! مردوں کے لئے تو کسی صورت میں سوگ کی اجازت نہیں ہے تو پھر محرم الحرام کے شروع ہوتے ہی سوگ اور ماتم کے نام پر پورے ملک وملت کو عملی طور پر یرغمال بنالینا کیا معنیٰ رکھتا ہے؟

محرم الحرام میں شادی کرنے کا حکم

اوپر ذکر کی گئی تفصیل کے مطابق اس ماہ مبارک میں سوگ کرنا بالکلیہ بے اصل اور دین کے نام پر دین میں زیادتی ہے، جس کا ترک لازم ہے، لہٰذا جب سوگ جائز نہیں ہے تو پھر شرعاً اس مہینے میں شادی نہ کرنے کی وجہ یہ بھی نہیں بن سکتی۔

بنت رسول حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شادی

بلکہ عجیب بات تو یہ ہے کہ ایک معتبر قول کے مطابق امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا سے شادی اسی ماہِ مبارک میں ہوئی، اگرچہ اس قول کے علاوہ دیگر اقوال بھی ملتے ہیں۔ (**ملاحظہ ہو: تاریخ مدینة الدمشق لابن عساکر، باب ذکر بنیه و بناته علیه الصلاة والسلام وازواجه: 3/128، دار الفکر۔ تاریخ الرسل والملوك للطبری، ذکر ما کان من الامور فی السنة الثانیة، غزوة ذات العشیرة، 2/410، دار المعارف بمصر**)

محرم الحرام کے دنوں میں ایک پیغام بہت زیادہ گردش کرتا ہے، جس میں تین شخصیات کے نکاح کا محرم الحرام میں ہونا مذکور ہوتا ہے۔ 1-زوجہ رسول حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے۔ 2-حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہ سے۔ 3-حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے۔

تو اس پیغام کا تحقیقی رُخ یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح سنہ 2 ہجری میں ہوا، البتہ اس میں اختلاف ہے کہ مہینہ کون سا تھا؟ تو اس میں تین طرح کے اقوال ملتے ہیں، محرم الحرام، صفر المظفر اور ذوالحجہ۔ ابن عساکر اور طبری رحمہما اللہ نے محرم الحرام کے مہینے میں نکاح ہونے کی روایت کو ترجیح دی ہے۔

بقیہ دو شخصیات کا نکاح بھی محرم میں نہیں ہوا، جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے نکاح 7 ہجری، ماہ صفر میں ہوا۔ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا نکاح حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا سے 3 ہجری میں ربیع الاول کے مہینے میں ہوا اور رخصتی جمادی الاخری کے آخر میں ہوئی۔

خلاصہ کلام یہ کہ اپنے مدعی کے ثبوت کے لئے غیر محقق امور کو پیش کرنا مناسب نہیں ہے، معتبر اور محقق بات ہی پیش کرنا مفید ثابت ہوتا ہے۔

چند فقہی کتب کا حوالہ

اکابرین مفتیانِ عظام کے فتاویٰ میں اس کی تصریحات موجود ہیں، ذیل میں فتاوی رحیمیہ سے اسی مسئلہ کا جواب نقل کیا جاتا ہے:

(الجواب): ماہ محرم کو ماتم اور سوگ کا مہینہ قرار دینا جائز نہیں، حدیث میں ہے کہ عورتوں کو ان کے خوشی واقارب کی وفات پر تین دن ماتم اور سوگ کرنے کی اجازت ہے اور اپنے شوہر کی وفات پر چار ماہ دس دن سوگ منانا ضروری ہے، دوسرا کسی کی وفات پر تین دن سے زائد سوگ منانا جائز نہیں، حرام ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

"لا یحل لامرأة تؤمن بالله والیوم الآخر ان تحد علی میت فوق ثلث لیال، الا علیٰ زوج اربعة اشهر و عشراً"

ترجمہ: "جو عورت خدا اور قیامت کے دن پر ایمان رکھے، اس کے لئے جائز نہیں کہ کسی کی موت پر تین رات سے زیادہ سوگ کرے، مگر شوہر اس سے مستثنیٰ ہے کہ اس کی وفات پر چار ماہ دس دن سوگ کرے۔" (بخاری، باب: تحد المرأة عنها اربعة اشهر و عشراً الخ، ص:803، ج:2، الخ، ص:496، ج:1) (مشکوٰة، باب العدة، الفصل الاول، ص:288)

ماہ مبارک محرم میں شادی وغیرہ کرنے کو نامبارک اور ناجائز سمجھنا سخت گناہ اور اہلسنت کے عقیدے کے خلاف ہے، اسلام میں جن چیزوں کو حلال اور جائز قرار دیا گیا ہو، اعتقاداً یا عملاً ان کو جائز اور حرام سمجھنے میں ایمان کے ضائع ہونے کا خطرہ ہے، مسلمانوں کو چاہئے کہ پوری احتیاط برتیں، اس طرح کی رسومات سے علاحدہ رہیں، ان میں شرکت حرام ہے۔

"مالا بدمنہ" میں ہے: مسلم راتشبہ بہ کفار وفساق حرام است"۔

یعنی: مسلمانوں کو کفار و فساق کی مشابہت اختیار کرنی حرام ہے۔ (ص:131)

ماہ مبارک میں شادی وغیرہ کے بارے میں دیوبندی اور بریلوی میں اختلاف بھی نہیں ہے۔ مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی کا فتویٰ پڑھیے:

(سوال) بعض سنی جماعت عشرہ محرم میں نہ تو دن بھر میں روٹی پکاتے ہیں اور نہ جھاڑو دیتے ہیں۔ 1- کہتے ہیں کہ بعد دفن تعزیہ روٹی پکائی جائے گی۔ 2- ان دس دن میں کپڑے نہیں اتارتے۔ 3- ماہ محرم میں کوئی بیاہ شادی نہیں کرتے، اس کا کیا حکم ہے؟

(الجواب) تینوں باتیں سوگ ہیں اور سوگ حرام ہے۔ (احکام شریعت، ص:90، ج:1) فقط واللہ اعلم بالصواب۔ (فتاویٰ رحیمیہ، کتاب البدعۃ والسنۃ، ماہ محرم میں شادی کرے یا نہیں؟ 115/2، دارالاشاعت، کراچی)

اسی طرح فتاویٰ حقانیہ (کتاب البدعۃ والرسوم، محرم الحرام میں شادی کرنے کا حکم؟ 96/2، جامعہ حقانیہ، اکوڑہ خٹک) میں بھی موجود ہے۔

اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ وہ ہمیں ہر طرح کے منکرات سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے اور افراط وتفریط سے بچتے ہوئے صراط مستقیم پر گامزن رکھے۔ آمین

○○○

ضروری اعلان

محترم قارئین کرام!

جن لوگوں کو دفتر کی جانب سے بقایاجات کے خطوط روانہ کیے گئے ہیں، ان سے گذارش ہے کہ جلد از جلد بقایا رقم ادا فرمادیں، اس وقت ادارے کو رقم کی سخت ضرورت ہے نیز اگر رسالہ جاری رکھنے کا ارادہ نہ ہو، مطلع کردیں تاکہ ادارے کا مزید نقصان نہ ہو۔

جو حضرات دفتر سے معلومات حاصل کرنا چاہتے ہوں وہ ۲/ بجے سے شام ۵/ بجے تک فون پر رابطہ کرسکتے ہیں۔ جمعہ کے دن دفتر بند رہتا ہے۔

دفتر کھلنے کا وقت ۲/ بجے سے ۵/ بجے تک ہے، دیگر اوقات میں فون نہ کریں۔

رابطہ کیلئے: Mobile : 9415911511

مولانا محمد غیاث الدین حسامی

واقعہ ہجرت کے چند نصیحت آموز پہلو

حضرت عمر فاروقؓ کا دور اسلامی تاریخ کا درخشندہ اور بے مثال دور ہے، اس دور میں اسلام اپنی سرحدوں سے نکل کر دنیا کے مختلف ملکوں اور علاقوں میں اپنے جھنڈے گاڑ چکا تھا، فتوحات کا نہ ختم ہونے والا ایک سلسلہ جاری تھا اور حضرت عمرؓ نے اپنی دانش مندانہ اور حکیمانہ قیادت کی وجہ سے اپنی حکومت کو ۲۲ لاکھ مربع میل تک پھیلایا اور ملکی حالات اور معاشرتی انتظام و انصرام کے لئے کئی محکموں کا قیام عمل میں لایا، جن میں محکمہ قضاء محکمہ پولیس، محکمہ فوج اور فوجی چھاؤنیاں، جیل خانہ اور بیت المال کا قیام، مختلف نہروں کی کھدائی، مختلف سراؤں اور مہمان خانوں کی تعمیر، مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ تک چوکیوں کی تعمیر، سڑکوں اور پلوں کا انتظام کیا، آپؓ نے اپنے دور حکومت میں ایسے حیرت انگیز کارنامے سرانجام دیے ہیں کہ یہ گلستانِ تاریخ میں گل سرسبد کی حیثیت رکھتے ہیں، جن کی مہک ان شاء اللہ تا قیامت باقی رہے گی، اور جس کی آواز زمانے کے دبیز پردے نہیں روک سکیں گے، خلیفہ ثانی حضرت عمرؓ کے کارناموں میں سے ایک اہم کارنامہ اسلامی کلنڈر کی ایجاد ہے، ہجری تاریخ کا آغاز حضرت عمرؓ کے دور خلافت سے ہوا، تاریخ اور سیر کی کتابوں میں لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنے دورِ خلافت میں صحابہ کے سامنے اسلامی تقویم کے بارے میں مشورہ کیا، بعض صحابہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت مبارکہ کو بنیاد بنا کر تاریخ کی ابتداء کرنے کا مشورہ دیا اور بعضوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وصال سے ابتداء کرنے کی صلاح دی، اور بعضوں نے واقعہ فیل کو پیش کیا اور بعضوں نے واقعہ ہجرت کی طرف توجہ مبذول کروائی، حضرت عمرؓ نے اپنی دور اندیشی اور حکیمانہ سیاست سے اور حضرت علیؓ کی مشاورت سے ہجرت نبویؐ کو اسلامی تقویم کے لئے بنیاد بنایا اور تمام صحابہ نے اسے تسلیم بھی کیا۔

واقعۂ ہجرت تاریخ کا ایک عظیم باب اور نیا موڑ ہے، اسلام کی تقویت و استحکام کا نیا دور ہے، یہ واقعہ اسلام کا وہ عظیم الشان واقعہ ہے جس کے ذریعہ سے اسلامی شان و شوکت اور قوت و طاقت میں اضافہ ہوا، یہ واقعہ ماہ صفر یا ماہ ربیع الاول میں پیش آیا، امام ابن اسحاقؒ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم یکم ربیع الاول جمعرات کی رات کو مکہ مکرمہ سے نکل کر غار ثور میں تشریف لے گئے، غار ثور میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سیدنا ابوبکر صدیقؓ کے ساتھ جمعہ، ہفتہ اور اتوار کی راتیں قیام فرمایا، پھر وہاں سے پیر کی رات ۵/ربیع الاول کو مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوئے۔ (المواہب اللدنیۃ، جلد-۱، صفحہ:۱۴۵)

یہاں پر ایک شبہ یہ پیدا ہوتا ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ربیع الاول کے مہینے میں مدینہ ہجرت کی تھی تو پھر مسلمانوں نے محرم کے مہینے سے نئے ہجری سال کا آغاز کیوں کیا؟ اس کے جواب میں مشہور مفسر قرآن علامہ ابن کثیر کہتے ہیں کہ عربوں کے یہاں نیا سال محرم سے شروع ہوتا تھا، اس لیے محرم سے نئے ہجری سال کا آغاز کیا گیا۔ (تفسیر ابن کثیر) نیز صحابہ کرامؓ کا اس بات پر بھی اتفاق ہوا کہ سال کی ابتداء محرم الحرام کے مہینہ سے کی جائے اس لئے محرم ہی کے مہینے سے اسلامی سال کا آغاز ہوا۔ (المختصر فی اخبار البشرؔ ۱/۱۲۳) علامہ ابن الجوزیؒ تطبیق دیتے ہوئے لکھتے ہیں: اس کا سبب یہ ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو مکہ سے ہجرت کی اجازت بیعت عقبہ کے بعد دے دی تھی، بیعت عقبہ ذی الحجہ کے مہینے میں ہوئی تھی جس کے بعد محرم کا مہینہ

آتا ہے محرم کے مہینہ سے عام مسلمانوں کو ہجرت کا حکم دے دیا گیا، اس لئے ہجرت کا آغاز گویا محرم کے مہینے سے ہوا۔ دوسرا سبب یہ ہے کہ محرم سے قبل ذی الحجہ کے مہینے میں مناسک حج کا اختتام ہوتا ہے لہٰذا اس کلنڈر کے آغاز پر اتفاق کیا گیا۔ (فتح الباری)

واقعۂ ہجرت محض ایک سفر نہیں بلکہ دین کی اشاعت کی طرف عزم وحوصلہ کے ساتھ پہلا قدم ہے، اس واقعہ میں ایک انسان کے لئے بے شمار نصیحتیں اور سبق آموز باتیں ہیں جس سے زندگی کو صحیح رخ پر گامزن کرنے کے لئے رہنمائی ملتی ہے، گویا واقعہ ہجرت کا ظہور پذیر ہونا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک غیر معمولی نعمت ہے، اگر انسان غور وفکر کے ذریعہ اس میں انمول ہیرے نکال کر اس کی روشنی میں زندگی گزارنا چاہے تو بڑی حد تک اس کی زندگی روشن اور چمکدار ہو سکتی ہے، پھر اس زندگی کو دیکھ کر دوسرے بھی اپنا قبلہ زندگی صحیح کر سکتے ہیں۔

یسی میں امید کی کرن: واقعہ ہجرت سے ہمیں پہلا سبق یہ ملتا ہے کہ مصائب و آلام، تنگی اور آزمائش کے بعد راحت و سکون، خوشی ومسرت برابر میسر ہوگی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مکی دور آزمائشوں اور تکالیف، مظلومیت، بے بسی و بے کسی، اپنوں اور بیگانوں کی طرف سے تکالیف و شدائد کا دور تھا جس کے بارے میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: **لقد اخفت فی الله و ما یخاف احد، و لقد اوذیت فی الله و ما یؤذی احد،** مجھے اللہ کے راستہ میں اتنی تکلیف دی گئی کہ مجھ سے پہلے کسی شخص کو اتنی تکلیف نہیں دی گئی، مجھے اللہ کے راستہ میں اتنا ڈرایا گیا کہ مجھ سے پہلے کسی شخص کو اتنا نہیں ڈرایا گیا۔ (ترمذی، حدیث نمبر:۲۴۷۲) لیکن ایک صبح ایسی آئی کہ آپ کو اپنے ساتھیوں کے ساتھ مدینہ ہجرت کرنے کا حکم ہوا، یہ حکم تمام غموں اور پریشانیوں کا خاتمہ تھا، راحت وسکون کا پروانہ تھا، اور یہ اسلام اور مسلمانوں کی استحکام اور طاقت وقوت کا ذریعہ بنا، اس واقعہ میں ہمیں یہ درس ملتا ہے کہ دنیا میں کسی بھی چیز کو ثبات ودوام نہیں، ہر دور کے بعد سکون، ہر غم کے بعد خوشی ہر تکلیف کے بعد راحت دینا اللہ تعالیٰ کی سنت ہے جیسا کہ قرآن مجید میں بیان کیا گیا۔ "**فان مع العسر یسرا، ان مع العسر یسرا**" یقیناً تنگی کے ساتھ آسانی ہے، بیشک مشکل کے ساتھ آسانی ہے۔ (الانشراح:۵-۶)۔

سفر کے لئے زادِ راہ کا انتظام: واقعہ ہجرت سے دوسرا سبق یہ ملتا ہے کہ انسان کے لئے سامانِ سفر اور زادِ راہ مہیا کرنا ضروری ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب ہجرت کا حکم ہوا تو آپؐ نے حضرت ابوبکرؓ کو اطلاع دی، حضرت ابوبکرؓ کے اسباب و وسائل جمع کئے اور اپنے افراد خاندان میں سے عامر بن فہیرہ اور حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ کے ذمہ کچھ کام حوالے کئے جب وقت موعود آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر پر روانہ ہوئے، سفر کے لئے اسباب سفر کا ہونا ناگزیر ہے، بغیر سامان سفر کے سفر ادھورا اور نامکمل ہوتا ہے، قرآن مجید میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے سفر حج کرنے والوں کو یہ تاکید کی "**وتزودوا فان خیر الزاد التقوی**" اے حاجیوں زادِ راہ (سامانِ سفر) ساتھ رکھ لیا کرو اس لئے کہ بہترین زادِ راہ لوگوں سے سوال کرنے سے بچنا ہے۔ (البقرۃ:۱۹۷) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بعض لوگ سفر میں سامان ساتھ رکھنے کو دنیا دارانہ فعل سمجھتے تھے خاص طور سے یمن کے لوگ سفر میں سامان ساتھ رکھنے کو توکل کے خلاف سمجھتے تھے اور بغیر سامان کے سفر کیا کرتے تھے، نتیجتاً وہ خود بھی پریشان ہوتے تھے اور دوسروں کے لئے بھی باعث مشقت بنتے تھے ان کے اس غلط خیال کی تردید کرنے کے لئے اللہ نے مذکورہ آیت نازل کی اور حکم دیا کہ سفر میں اسباب و وسائل کو اختیار کرنا چاہئے تا کہ دوسروں کے لئے مشقت اور پریشانی کا باعث نہ ہو۔

ہر انسان کو ایک سفر اور درپیش ہوتا ہے جس سے کسی فرد بشر کو چھٹکارا نہیں وہ ہے سفر آخرت، یہ سفر دنیا کے سفر کے مقابلہ طویل ہے، اس لئے انسان کو چاہئے کہ دنیا

کے سفر کے لئے زادِراہ ضروری ہے تو آخرت کے سفر کے لئے درجۂ اولیٰ ضروری ہے، چنانچہ علامہ ابن جوزی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: وہ گزرنے والا بہت ہی قابل تعجب ہے جو توشۂ آخرت تیار کئے بغیر مرگیا، اور وہ مسافر بھی قابل تعجب ہے جو سفر کے لئے سامان اکٹھا کئے بغیر سفر پر نکل گیا، اور قبر میں منتقل ہونے والا وہ شخص بھی بہت قابل تعجب ہے جس نے منتقلی کی کوئی تیاری نہیں کی۔ (بحوالہ سفر آخرت کا توشہ) عقلمند وہ ہے جو دنیا کے مقابلہ میں آخرت کے سفر کے لئے زادِراہ کی تیاری میں ہمہ تن مصروف رہتا ہے۔

دعا کے ساتھ تدبیر: واقعہ ہجرت کا تیسرا سبق یہ ہے کہ مصائب وآلام میں محض دعا پر اکتفا نہ کیا جائے، بلکہ دعا کے ساتھ تدابیر کا اختیار کرنا بھی ضروری ہے، جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے وقت اپنے گھر سے نکل کر کفار مکہ پر (جو اس وقت آپ کے گھر کا حصار کئے ہوئے تھے) سورۂ یٰسین کی ابتدائی آیتوں کی تلاوت کرتے ہوئے ایک مٹھی مٹی ان کے سروں پر ڈال دی جس کی وجہ سے لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ دیکھ سکے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عمل اس بات کی طرف اشارہ کررہا ہے کہ انسان کو پریشانیوں اور مصائب میں دعا کے ساتھ تدابیر اختیار کرنا چاہئے، محض دعا پر اکتفاء کرکے من جانب اللہ غیبی مدد کے منتظر رہنا نری جہالت و بے وقوفی ہے، اللہ تعالیٰ نے دنیا کا نظام ہی کچھ اس طرح رکھا ہے کہ جب تک انسان جلب منفعت اور دفعِ مضرت کے لئے مناسب تدابیر اختیار نہیں کرتا اس وقت تک نصرت الٰہی کا نزول نہیں ہوتا، یہاں کسان کو بیج بونے کے بعد اللہ پر بھروسہ اور اس سے دعا کرنا پڑتا ہے، بیمار کو دوا کھانے کے بعد اللہ کی جانب سے صحت کا انتظار کرنا پڑتا ہے، اس لئے بندہ کا ہر عمل میں دعا کے ساتھ مناسب تدبیر بھی ہونی چاہئے۔

توکل علی اللہ: سفر چھوٹا ہو یا بڑا مشقت اور خطرات سے بھرا ہوا ہوتا ہے، انسان جب سفر پر جاتا ہے تو اپنے اہل و عیال سے دور راستہ کی تکلیفوں اور صعوبتوں کو جھیلتے ہوئے اپنی منزل تک پہنچتا ہے، سواری کے خراب ہونے کا خوف، چوروں اور ڈاکوؤں کے ذریعہ لٹ جانے کا اندیشہ، ساتھیوں کی بے اعتمادی اور بے ایمانی کا خطرہ، حادثات کے ذریعہ جان و مال کے کھونے کا خطرہ، ان تمام خطرات کا علم رکھتے ہوئے جب ایک انسان سفر شروع کرتا ہے تو اسلام کی طرف سے سب سے پہلے یہ تعلیم دی جاتی ہے کہ اللہ پر پورا اعتماد اور بھروسہ رکھو کیونکہ ان خطرات سے بس وہی تم کو نجات دے سکتا ہے، یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سفر ہجرت میں حضرت ابوبکرؓ سے فرمایا کہ "لا تحزن ان الله معنا" اے ابوبکرؓ کچھ فکر نہ کرو اللہ ہمارے ساتھ ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ اعتماد اس قدر مضبوط تھا کہ دشمنوں کی نگاہِ تجسس آپ پر ٹکی ہوئی تھی اور آپ کو قتل کرنے کے لئے ان کی تلواریں نیام سے نکل چکی تھی اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے محبوب خدا پر مکمل بھروسہ اور توکل تھا، اور اللہ نے اپنے چہیتے نبیؐ کو دشمنوں کی نگاہِ ضرر سے محفوظ رکھا، پھر یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر پر جاتے تو خوب دعاؤں کا اہتمام کرتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا میں یہ دعا بھی شامل تھی۔

"پاک ہے وہ ذات جس نے اس سواری کو ہمارے تابع کردیا ورنہ ہم اپنے بس میں نہیں کرسکتے اور بیشک ہمیں اپنے پروردگار ہی کی طرف پلٹ کر جانا ہے، اے اللہ ہم اپنے اس سفر میں تجھ سے نیکی، تقویٰ اور ایسے اعمال کا سوال کرتے ہیں جو تجھے پسند ہوں، اے اللہ ہمارا یہ سفر ہمارے لئے آسان کردے اور اس کے فاصلے سمیٹ دے اے اللہ! میں سفر کی مشقت، تکلیف دہ منظر اور سفر سے واپسی پر اپنے مال و اہل اور جائیداد میں کسی بری چیز کا سامنا کرنے سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔ (صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۱۳۴۲) واقعہ ہجرت کے اس پہلو سے ہمیں یہ درس ملتا ہے کہ سفر ہو کہ حضر زندگی کے ہر موڑ پر اللہ پر بھروسہ کرے کیونکہ وہ ہماری حفاظت کرنے والا ہے۔

نیک ساتھیوں کا انتخاب: واقعہ ہجرت سے ایک سبق یہ بھی ملتا ہے کہ سفر کے لئے

اچھے ساتھی اور بہترین ہم سفر کا انتخاب کرے، اچھے ساتھی کی موجودگی سفر کی صعوبتیں کم کردیتی ہیں، جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سفر ہجرت کے لئے حضرت ابوبکر صدیقؓ کا انتخاب کیا، احادیث اور سیرت کی کتابوں میں لکھا ہے کہ جب عام مسلمانوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے مدینہ کی طرف ہجرت کر گئے، اور مکہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکرؓ اور حضرت علیؓ کے علاوہ چند لوگ جو مالی اور جسمانی کمزوری کی وجہ سے رہ گئے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی طرف سے ہجرت کی اجازت کے منتظر تھے، حضرت ابوبکر صدیقؓ ہر روز آپؐ کے پاس آتے اور اجازت طلب کرتے، آپؐ ان سے کہتے کہ جلدی نہ کرو، ممکن ہے اللہ تعالیٰ تمہارے لئے بھی کوئی ساتھی بنادے، یا یہ کہتے کہ جلدی نہ کرو امید ہے کہ مجھے بھی اجازت ملنے والی ہے۔ (سیرت حلبیہ، جلد:۳، صفحہ:۳۷) اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر صدیقؓ کو اپنا رفیق سفر بنانا چاہتے تھے اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کی بھی یہی خواہش تھی جو پوری ہوئی، احادیث شریفہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر کی لئے بہترین ساتھیوں کو ساتھ رکھنے کی اجازت دی ہے اور آپ خود بھی اپنے اسفار میں کسی نہ کسی کو ضرور شریکِ سفر رکھتے۔

دعوتِ دین کی فکر: واقعہ ہجرت کا ایک قابل توجہ اور لائق تقلید پہلو یہ بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر وقت دین کی طرف لوگوں کو بلاتے تھے، سفر ہجرت میں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھی حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ حضرت امّ معبدؓ کے پاس کچھ وقت کے لئے تشریف لے گئے تو اپنی گفتار و کردار سے انہیں اس قدر متاثر کیا کہ وہ اپنے شوہر کے ساتھ حلقہ اسلام میں شامل ہوگئی، کتاب خصائص کبریٰ میں لکھا ہے کہ امّ معبدؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بلندی و عظمت دیکھ کر اس قدر متاثر ہوگئی تھیں کہ وہ آپ کی روانگی سے پہلے ہی مسلمان ہوگئیں اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے بیعت بھی لی۔ (سیرت حلبیہ جلد:۳، صفحہ:۱۳۴) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک داعی حکمت و مصلحت کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہر وقت دین کی دعوت دیتے رہنا چاہئے اور اپنے کردار و گفتار کو اس قدر اعلیٰ بنانا چاہئے کہ لوگ اس کے اخلاق و عادات کو دیکھ کر اسلام کی طرف راغب ہوجائے۔

وطن سے محبت: واقعہ ہجرت کا ایک اہم پہلو یہ ہے کہ انسان جس ملک میں رہتا ہے اس سے گہری وابستگی رکھے جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ اور مدینہ سے رکھتے تھے، حضرت عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے نکل کر مدینہ کی طرف ہجرت کررہے تھے اس وقت آپ نے مکہ کی طرف رخ کرکے کہا تھا اے مکہ! خدا کی قسم اگرچہ میں تجھ سے رخصت ہورہا ہوں لیکن میں جانتا ہوں کہ اللہ کے نزدیک تو سب شہروں میں سب سے عزیز اور محبوب ہے، اور اگر تیرے باشندے مجھے تجھ سے جدا نہ کرتے تو میں ہرگز تجھ کو نہیں چھوڑتا۔ (سیرت حلبیہ:۳/۸۴) آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اس جملہ سے تمام افراد امت کو یہ درس دے رہے ہیں کہ وطن سے محبت ہر وطنی کو ہونی چاہئے، وطن کی سرزمین، آب و ہوا، فضا اور ماحول سے قدرتی طور پر لگاؤ ہوتا ہے، اور ہر وطنی دنیا کے کسی بھی خطہ میں ہو اپنے وطن کی محبت کی خوشبو سونگھ ہی لیتا ہے، اور وہ اس کی بقاء اور حفاظت کے لئے محنت اور جدوجہد کرتا ہے، وطن ہی میں انسان کو آرام و سکون، اطمینان، تسلی اور خوشی حاصل ہوتی ہے، اور وطن سے محبت اور لگاؤ کا تقاضا یہ ہے کہ ملک کا ہر شہری وطن کا پاسباں و محافظ ہو، سچا نگہبان اور سپاہی ہو، اس کی بقاء، تعمیر و ترقی اور خوشحالی کا احساس رکھتا ہو، ملک کی نہ صرف دفاعی بلکہ معاشی، اخلاقی، سیاسی، مذہبی، تعلیمی اور معاشرتی ترقی کے لئے ہر وقت سرگرم رہتا ہو، اپنے ذاتی اور انفرادی مفادات کو ملکی اور اجتماعی مفادات پر قربان کردیتا ہو۔ واقعہ ہجرت اپنے جلو میں بے شمار نصیحتیں اور سبق آموز باتیں رکھتا ہے، اس واقعہ کا ہر پہلو قابل توجہ اور لائق تقلید ہے، جس سے انسان اپنی زندگی کے ہر پہلو کو سنوار سکتا ہے۔

○○○

ڈاکٹر نجیب الحق

اختلافِ اُمت، نجات کی راہ

ایمان لانے کا ایک قدرتی نتیجہ مسلمانوں کے دلوں میں ایک دوسرے سے محبت کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ آج ہم اپنا جائزہ لیں کہ کیا ایسا ہے؟ اور اگر نہیں تو اپنے ایمان کی فکر کریں کہ کہاں کیا نقص رہ گیا ہے۔ آج اُمت اختلاف کا شکار ہوگئی ہے اور اس کا ایک بڑا مسئلہ آپس کی مخالفت اور تفرقہ ہے۔ اس کے نتیجے میں اُمت ذہنی اور عملی خلفشار اور معاشرتی انتشار کا شکار ہوگئی ہے۔

اگرچہ اس حالت کی بہت سی وجوہ ہوسکتی ہیں جن میں سے کچھ اپنوں اور کچھ غیروں کی پیدا کردہ ہیں لیکن یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ تفرقے کی یہ بیماری اُمت کے وجود کو گھن کی طرح چاٹ رہی ہے۔

تفرقہ بازی شیطان کا راستہ ہے اور ہمیں اس راستے کو چھوڑ کر رحمٰن کے بتائے ہوئے اتفاق واتحاد کے سیدھے راستے کی طرف آنا ہوگا جس کا ذکر خود اللہ تعالیٰ نے سورۂ انعام میں فرمایا:

وَاَنَّ ھٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْہُ، وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ، ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ۔ (انعام:۶:۱۵۳)

اس کی ہدایت یہ ہے کہ یہی میرا راستہ ہے، لہٰذا تم اسی پر چلو اور دوسرے راستوں پر نہ چلو کہ وہ اُس کے راستے سے ہٹا کر تمہیں پراگندا کردیں گے۔ یہ ہے وہ ہدایت جو تمہارے رب نے تمہیں کی ہے، شاید کہ تم کج روی سے بچو۔

بدقسمتی سے آج عملی طور پر مسلمانوں کی حالت یہ ہے کہ وہ اللہ اور رسولؐ کے احکامات کو پس پشت ڈال کر ایک ہونے کے بجائے ٹکڑوں میں بٹ گئے ہیں۔ نتیجتاً مسلمان پستی، کمزوری اور ذہنی غلامی کا شکار ہوگئے ہیں۔ قرآن مجید میں انتہائی سخت الفاظ میں تفرقہ بازی کرنے والوں پر وعید کی گئی ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ، اِنَّمَآ اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ۔ (انعام-۶:۱۶۹)

جن لوگوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کردیا اور گروہ بن گئے یقیناً ان سے تمہارا کچھ واسطہ نہیں، ان کا معاملہ تو اللہ کے سپرد ہے، وہی ان کو بتائے گا کہ انہوں نے کچھ کیا ہے۔

غور فرمائیں کہ رسولؐ اللہ کو کہا جارہا ہے کہ تفرقوں میں پڑنے والے ان لوگوں کی مرضی ہے جدھر چاہیں جائیں، ان کا تم سے کوئی تعلق ہی نہیں۔ (استغفراللہ)۔

امت کے اس اختلاف اور جھگڑوں کے اس منطقی نتیجے کو قرآن نے بیان فرمادیا:

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا، اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ۔ (انفال-۸:۴۶) اور اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرو اور آپس میں جھگڑو نہیں ورنہ تمہارے اندر کمزوری پیدا ہوجائے گی اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔ صبر سے کام لو، یقیناً اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

یہ تو اس دنیا میں اختلافات کا نتیجہ ہے جو ہم بھگت رہے ہیں اور اختلافات اور تفرقے کا جو انجام آخرت میں ہوگا وہ کڑے عذاب کا سامنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ، وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ، يَّوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ۔

(آل عمران:۳۔۱۰۵:۱۰۶)

کہیں تم ان لوگوں کی طرح نہ ہوجانا جو فرقوں میں بٹ گئے اور کھلی کھلی واضح ہدایات

پانے کے بعد پھر اختلافات میں مبتلا ہوئے۔ جنہوں نے یہ روش اختیار کی وہ اس روز سخت سزا پائیں گے، جب کہ کچھ لوگ سرخ رو ہوں گے اور کچھ لوگوں کا منہ کالا ہوگا۔

تفرقہ بازی کا علاج

مسلمانوں کی اس بیماری کی تشخیص کے لئے کارگر تو بس وہی نسخہ ہے جو اللہ اور اللہ کے رسول کا تجویز کردہ ہے۔

سورۂ آل عمران کی آیت **وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا۔** (آل عمران-۳:۱۰۳)

''سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑ لو اور تفرقے میں نہ پڑو۔'' کی تشریح میں مولانا مودودی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اس رسی کو ''مضبوط پکڑنے'' کا مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کی نگاہ میں اصل اہمیت دین کی ہو، اسی سے ان کو دلچسپی ہو، اسی کی اقامت میں وہ کوشاں رہیں اور اسی کی خدمت کے لئے آپس میں تعاون کرتے رہیں۔ جہاں دین کی اساسی تعلیمات اور اس کی اقامت کے نصب العین سے مسلمان ہٹے اور ان کی توجہات اور دلچسپیاں جزئیات و فروغ کی طرف منعطف ہوئیں، پھر ان میں لازماً وہی تفرقہ و اختلاف رونما ہو جائے گا جو اس سے پہلے انبیاء علیہم السلام کی امتوں کو ان کے اصل مقصد حیات سے منحرف کر کے دنیا اور آخرت کی رسوائیوں میں مبتلا کر چکا ہے۔'' (تفہیم القرآن، اول، ص:۲۷۶-۲۷۷)

مولانا محمود حسن نے فرمایا کہ مسلمانوں کی موجودہ پستی کے دو ہی سبب ہیں: ترک قرآن اور باہمی اختلاف۔ اور مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''مسلمانوں کو تو میں یہی کہتا ہوں کہ ان کے لیے تو صرف یہی لائحہ عمل ہے کہ وہ قرآن پر متفق ہو جائیں اور اگر فہم قرآن اور تفسیر قرآن میں اختلاف ہو بھی اور یہ اختلاف حدود کے اندر رہے تو نہ وہ مذموم ہے اور نہ انسان کے لئے مضر۔ قرآن پہ تمسک کرنا ہی وہ چیز ہے جس سے بکھری ہوئی قوتیں جمع ہوتی ہیں اور ایک مردہ قوم حیات تازہ حاصل کرتی ہے۔ پھر سورۂ شوریٰ کی آیت ''**اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا۔**'' (۴۲:۱۳) کی تشریح میں احادیث کے حوالوں کی روشنی میں اس بات کی مزید وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اجتماعی اور متفق علیہ احکام میں تفرقہ ڈالنے کی شدید ممانعت ان حادیث صحیحہ میں آتی ہے۔ (معارف القرآن)

دین کی بنیاد: یہ بات یاد رہے کہ ائمہ اربعہ رحمۃ اللہ علیہم نے فقہ کی تدوین کر کے اس اُمت پر بہت بڑا احسان کیا ہے اور اس طرح رسول اللہ کی سنت کے ہر پہلو پر عمل کرنے کو ممکن بنا دیا ہے۔ ''فقہ'' فی نفسہ دین نہیں بلکہ دین پر عمل کرنے کا طریقہ اور ذریعہ ہے۔ یہ ائمہ کرام کا وہ علمی کام ہے جس میں قرآن و سنت کی روشنی میں عرف، انسانی ذوق اور عصری علوم کی روشنی میں زندگی کے مختلف مسائل کا سنت کے قریب ترین حل مدون کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور انہی اصولوں کے مطابق آج بھی فقہائے کرام زندگی کے مختلف النوع مسائل کا حل تجویز کرتے ہیں۔

اسی طرح ''مسلک'' بھی بنیادی طور پر وہ عملی نظام ہے جو علماء فقہاء اور ائمہ کرام نے زبردست محنت اور کوشش سے لوگوں کے لئے قرآن، وسنت اور فقہ کی روشنی میں اللہ اور اس کے رسولؐ کے احکام پر عمل کرنے کے لئے مرتب کیا ہے اور مختلف مسائل کے حل کو یکجا کر دیا ہے، تاکہ عام مسلمانوں کے لئے دین کے مطابق زندگی گزارنے میں آسانی پیدا کی جا سکے۔

رسول کریمؐ نے اختلاف رائے کو نعمت قرار دیا ہے۔ اس اختلاف سے انسان کی علمی اور تخلیقی استعداد کو جلا ملتی ہے۔ اس کا ایک اور بڑا فائدہ یہ بھی ہے کہ جس صورت پر بھی عمل ہو، انسان شریعت کے دائرے کے اندر ہی ہوتا ہے اور غلطی کے امکان یا شک کا فائدہ اس شخص کو ہی ملتا ہے جو نیک نیتی کی بنیاد پر کوئی بھی رائے اختیار کر لیتا ہے۔ فقہی اور مسلکی اختلافات کا مخالفت میں تبدیل کرنا انصاف کے منافی ہے اور اس صورت میں یہ رحمت نہیں بلکہ زحمت کا باعث بن جاتا ہے۔

کسی بھی فقہی رائے کو اختیار کرنے سے کوئی شخص اسلام کے دائرے سے خارج نہیں ہو جاتا، البتہ فقہی اختلافات کی بنا پر

اس کو بہانہ بنا کر قرآن یا حدیث کا بالواسطہ انکار اور خواہش نفس کی پیروی کرنا دوسری بات ہے۔ یہی حال فتاویٰ کا بھی ہے۔ اگر ایک مسئلے میں ائمہ اربعہ یا فقہائے کرام کی دو مختلف رائے موجود ہوں تو ایک کے اختیار کرنے اور دوسری کو چھوڑ دینے کو کفر اور اسلام کا معاملہ نہیں بنایا جاسکتا۔ البتہ کسی بھی رائے کے اختیار کرنے کی بنیاد ہوا سے نفس نہیں بلکہ احکام شریعت پر بہتر طریقے سے عمل کی کوشش ہونی چاہئے۔

قرآن وحدیث کے واضح احکام کے بعد اپنی رائے یا مسلک کے لئے تاویلات نہیں ڈھونڈنی چاہئیں، مگر یہ بات یاد رہے کہ کسی مسلک میں رائے قائم کرنے کا اختیار ہر شخص کا کام نہیں۔ یہ صرف علمائے کرام کا کام ہے اور عام لوگوں کو انہی کی رائے کو اختیار کرنا چاہئے۔ جس طرح ہم زندگی کے مختلف شعبوں میں اس شعبے کے اسپیشلسٹ کے پاس جاتے ہیں اور اس کی رائے یا ہدایت ہی پر عمل کرتے ہیں اسی طرح شرعی معاملات میں بھی شریعت کے ماہرین (علماء وفقہاء) کے پاس جانا چاہئے اور ان کی رائے اور ہدایات پر عمل کرنا چاہئے۔

متفقہ اُمور کو بنیاد بنائے

سورۂ آلِ عمران میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کہہ دو کہ اے اہل کتاب جو بات ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں (تسلیم کی گئی ہے) اس کی طرف آؤ، وہ یہ کہ خدا کے سوا ہم کسی کی عبادت نہ کریں اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کریں اور ہم میں سے کوئی کسی کو خدا کے سوا کارساز نہ سمجھے۔ اگر یہ لوگ (اس بات کو) نہ مانیں تو (ان سے) کہہ دو کہ تم گواہ رہو کہ ہم (خدا کے) فرمانبردار ہیں۔ (آل عمران-۳:۶۴)

اگرچہ اس آیت میں مسلمانوں کو یہ ہدایت اہل کتاب کے بارے میں دی جارہی ہے مگر قرآن نے اصولی طور پر یہ ایک قاعدہ بیان کردیا ہے کہ بات کی ابتدا کیسے کی جائے؟ جب بات نیک نیتی سے اس طرح شروع کی جائے تو اس بات کا قوی امکان پیدا ہوگا کہ اختلافات ختم ہوجائیں ورنہ کم تو ضرور ہوجائیں گے۔ جہاں کہیں اختلاف کی بات آئے تو تھوڑی دیر کے لیے اس اختلاف کو پس پشت ڈال کر ان امور پر توجہ دیں، جن پر آپ کا اور دوسرے فریق کا اتفاق ہے۔ اس طرح خود ہی یہ بات سامنے آجائے گی کہ اہم امور کے اکثریتی معاملوں پر تو پہلے سے ہی اتفاق موجود ہے اور اختلاف تو صرف ذیلی امور (عموماً فروعات) میں ہی ہے۔

اہل علم سے استفادہ

جس بات میں مشکل درپیش ہو اس پر اَڑنے کے بجائے اہل علم سے رجوع کریں اور اختلاف سے بچیں۔ سورۂ نحل میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۔ (النحل-۱۶:۴۳) اور ہم نے تم سے پہلے نہ بھیجے مگر مرد جن کی طرف ہم وحی کرتے، تو اے لوگو! علم والوں سے پوچھو اگر تمہیں علم نہیں۔

اس آیت میں بھی علم نہ ہونے کی صورت میں حقیقت اور صحیح بات معلوم کرنے کا ایک قاعدہ بیان کردیا ہے۔ مسائل (جو اکثر فروعات میں ہی ہوتے ہیں) کی صورت میں کھلے ذہن کے ساتھ اہل علم سے صحیح صورتِ حال معلوم کرلی جائے اور باہم اختلافات کو ہوا دینے کے بجائے مسلمانوں کے اتحاد اور اتفاق کو قائم رکھنے کے لئے دوسروں کی رائے کا احترام کیا جائے۔ اختلافات سے بچنے کا یہ ایک کارگر نسخہ ہے۔ ایسے موقعے پر یہ بات ہمیشہ ذہن نشین رہنی چاہئے کہ مسئلے کی حقیقت جاننے کی بنیاد خلوص ہے نہ کہ خواہش نفس کی تسکین اور کسی دوسرے کو نیچا دکھانے اور کسی بھی طرح اپنی بات کو صحیح ثابت کرنے کی ضد اور کوشش۔

رسولؐ اللہ نے اختلاف کے تدارک کی تلقین کی ہے۔ آپؐ نے حضرت معاذؓ اور حضرت ابوموسیٰؓ کو جانب یمن روانہ کرتے وقت یہ فرمایا کہ تم دونوں آسانیاں کرنا اور سختی نہ کرنا، خوشخبری سنانا اور لوگوں کو متنفر نہ کردینا، باہم اتحاد وانصاف رکھنا اور اختلاف نہ ہونے دینا۔ (بخاری)

قرآن پر عمل: قرآن کو سمجھ کر عمل کرنے کے نقطۂ نظر سے پڑھیں۔ بدقسمتی سے ہم قرآن کو ثواب کی کتاب سمجھ کر پڑھتے ہیں اور یہ بھول جاتے ہیں کہ یہ کتاب بنیادی طور پر ہمیں زندگی گزارنے کے اصول اور طریقے بتانے اور دکھانے کے لیے نازل کی گئی ہے۔ اس کے پڑھنے کا ثواب تو یقیناً ہے لیکن صرف اس کو پڑھنا اس کتاب کا بنیادی مقصد نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ اسی کتاب میں فرماتے ہیں: "کِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ۔" (ص-۳۸:۲۹) یہ ایک بڑی برکت والی کتاب ہے جو (اے محمدؐ) ہم نے تمہاری طرف نازل کی ہے تاکہ یہ لوگ اس کی آیات پر غور کریں اور عقل وفکر والے اس سے سبق لیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے مُبٰرَكٌ کہہ کر بات ختم نہیں کردی بلکہ متصلاً فرمایا کہ یہ کتاب تمہارے غور وفکر کے لئے ہے۔ اصولاً ہمیں قرآن اس نیت سے پڑھنا چاہیے کہ ہمیں قرآن سے اپنی زندگی کے لیے عملی اقدامات، اصول اور ہدایات ڈھونڈنی ہیں۔ کسی بھی مسئلہ کی تشریح کے لیے علماء سے رجوع کرکے اپنی مشکل یا شک کا حل ڈھونڈیں۔

"قرآن عمل کرنے اور زندگی میں نافذ کرنے کے لیے نازل کیا گیا ہے۔ اس کو عمل کے لیے پڑھنے کی ذیل میں ایک مثال دی جاتی ہے جو اس بات کی بھی وضاحت کرتی ہے کہ اس قرآن نے صحابہ کرامؓ کی زندگی کو تو یکسر بدل دیا لیکن یہی قرآن پڑھ کر ہماری زندگی میں کوئی تبدیلی نہیں آتی۔

جب آیت "لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ۔" (آل عمران-۳:۹۲) نازل ہوئی تو حضرت عمرؓ نے خیبر میں اپنی بہترین زمین، حضرت طلحہؓ نے اپنا سب سے نفع بخش اور بہترین باغ، حضرت زیدؓ نے اپنا بہترین اور محبوب گھوڑا اللہ کی راہ میں دے دیے، اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اپنی سب سے محبوب کنیز کو اللہ کی رضا کے لیے آزاد کردیا۔

قرآن سمجھ کر پڑھنے اور اس پر عمل کرنے کے بارے میں علامہ اقبال فرماتے ہیں:

یہ راز کسی کو نہیں معلوم کہ مومن
قاری نظر آتا ہے، حقیقت میں ہے قرآن

شیطان ہمیشہ اسی کوشش میں رہتا ہے کہ مسلمان کہیں قرآن کی طرف پلٹ نہ آئیں۔ وہ یہ جانتا ہے کہ اس کتاب کے بغیر مسلمان کی کوئی حیثیت نہیں ہے اور اس کی ہمیشہ یہ کوشش رہتی ہے کہ مسلمانوں کو قرآن سے دور رکھے۔ اقبال اسی بات کو ابلیس کی زبان سے یوں بیان کرتے ہیں:

جانتا ہوں کہ یہ امت حامل قرآں نہیں
ہے وہی سرمایہ داری بندۂ مومن کا دیں
جانتا ہوں میں کہ مشرق کی اندھیری رات میں
بے ید بیضا ہے پیرانِ حرم کی آستیں
ہے یہی بہتر الٰہیات میں الجھا رہے
یہ کتاب اللہ کی تاویلات میں الجھا رہے

سنت رسولؐ کا اتباع

اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن مجید میں اپنے ساتھ ساتھ رسولؐ کے اتباع کا بھی حکم دیا ہے:

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسولؐ کی اور اُن لوگوں کی جو تم میں سے صاحب امر ہوں، پھر اگر تمہارے درمیان کسی معاملے میں نزاع ہوجائے تو اسے اللہ اور رسولؐ کی طرف پھیر دو اگر تم واقعی اللہ اور روز آخر پر ایمان رکھتے ہو۔ یہی ایک صحیح طریق کار ہے اور انجام کے اعتبار سے بھی بہتر ہے۔ (النساء:۴:۵۹)

سورۂ نساء کی ایک اور آیت میں تو یہ بات واضح کردی گئی ہے کہ رسولؐ اللہ کی اطاعت کے بغیر اللہ کی اطاعت اور رضامندی کا حصول ممکن ہی نہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: "جس نے رسولؐ کی اطاعت کی اس نے دراصل خدا کی اطاعت کی اور جو منہ موڑ گیا، تو بہرحال ہم نے تمہیں اُن لوگوں پر پاسبان بنا کر تو نہیں بھیجا ہے۔" (النساء:۴:۸۰)

اللہ کی اطاعت اور رسولؐ اللہ کے اتباع کے بارے میں دو باتوں کی وضاحت ضروری ہے۔ ایک تو وہ نصوص اور احکام ہیں جن پر عمل پوری امت کا فرض ہے۔ دوسرے وہ امور ہیں جن کا تعلق اول الذکر احکامات سے نہیں اور ان میں اجتہاد کی گنجائش موجود ہے۔

(بقیہ.....صفحہ.....۲۱.....پر)

محمد نصیرالدین

زندگی اور موت کے فیصلے آسمان پر ہوتے ہیں

''زندگی اور موت'' حیات انسانی کی اٹل حقیقت ہے دنیا میں آنے والے ہر انسان کو دیر یا سویر موت کا مزہ چکھنا ہے۔ **کل نفس ذائقة الموت** موت سے کسی کو مفر نہیں۔ روز دنیا میں ہزاروں نفوس دنیا سے رخصت ہوتے ہیں لیکن تاریخ انسانی میں ایسے منظر بہت کم ملتے ہیں کہ تختۂ دار کو لوگوں نے خوش آمدید کہا ہو اور ہنستے مسکراتے گلے لگایا ہو۔

عبدالقادر ملا، پروفیسر غلام اعظم، مطیع الرحمٰن نظامی، علی احسن مجاہد، قمرالزماں اور میر قاسم علی۔ یہ وہ نام نہیں جنہوں نے عزم و ہمت اور عزیمت کی ایک نئی تاریخ رقم کی، جنہیں فرضی جرائم کی پاداش میں، ناکردہ گناہوں کے الزامات میں اور اپنے وطن کی حفاظت کے ''نو دریافتہ'' جرم کی پاداش میں پھانسی کی سزا دی گئی۔ وہ لوگ جنہوں نے اپنے وطن کے لیے تن من دھن قربان کیا، اپنے خون جگر سے وطن کو سینچا، وطن کی ترقی کے لئے سماجی فلاحی، معاشی، تعلیمی و دیگر میدانوں میں بیش بہا خدمات انجام دیں، وطن کی پسماندگی اور جہالت ختم کرنے کے لیے بے شمار کارنامے انجام دیئے اور اپنی زندگیاں وقف کردیں لیکن وائے افسوس کہ اسی ملک میں لگ بھگ 45 سال بعد ان کے خلاف مقدمات دائر کئے جاتے ہیں، جھوٹی شہادتیں تیار کی جاتی ہیں، سازشوں کا جال بنا جاتا ہے عداوت و مکاری کے ساتھ مقدمہ بازی ہوتی ہے اور بالآخر سزائے موت کا اعلان کیا جاتا ہے پھر ایک کے بعد دیگر تمام عدالتیں اُس فیصلہ پر مہر ثبت کرتے جاتے ہیں آخر میں یہ ''اختیار'' دیا جاتا ہے کہ چاہے تو صدر مملکت کے سامنے رحم کی اپیل کریں! سبحان اللہ جیسے کہ ہمیشہ سے اہل ایمان کا وطیرہ رہا ہے یکے بعد دیگرے تمام نے ایک ہی بات کہی ''زندگی اور موت کے فیصلے زمین پر نہیں آسمان پر ہوتے ہیں، ہم کسی سے رحم کی اپیل نہیں کریں گے۔'' یہ وہ تاریخی جملہ ہے۔ جو عصر حاضر کے مجدد اور مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے ان کے لئے پھانسی کی سزا کے اعلان پر کہا تھا۔ ایمان اور عقیدہ اہل ایمان کا ہتھیار اور اصل طاقت اور قوت ہے، سعادت و خوش بختی ہے چنانچہ جن کو ایمان کی حلاوت نصیب ہوجاتی ہے انہیں دنیا کی زندگی قید خانہ محسوس ہوتی ہے، دنیا کی زندگی اذیت ناک محسوس ہوتی ہے اور آخرت کی زندگی انہیں محبوب ہوجاتی ہے جنت کی نعمتیں، عیش و آرام، آسائشیں اور انواع واقسام کی لذتیں اُن کی آنکھوں کے سامنے ہوتی ہیں ایسے میں بھلا وہ کون شخص ہوگا جو کہ جنت کی پرکیف اور باغ و بہار زندگی حاصل کرنے کی جستجو اور تڑپ نہ کرے گا؟ چنانچہ مطیع الرحمٰن نظامی شہیدؒ کہتے ہیں۔ ''ہر شخص کو موت کا مزہ چکھنا ہے، میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ میری موت کے وقت میرا رب مجھ سے راضی ہو۔'' عبدالقادر ملا جیل کی کال کوٹھری سے اپنے آخری خط میں لکھتے ہیں۔ ''میری آپ سے گذارش ہے کہ ہم سب نے جس راستہ کا انتخاب کیا ہے اس پر ڈٹے رہیں، میں دیکھ رہا ہوں کہ یہ راستہ سیدھا جنت کی طرف جاتا ہے۔''

عشق بڑھتا رہا سوئے دار و رسن
زخم کھاتا ہوا مسکراتا ہوا

راستہ روکتے روکتے تھک گئے
زندگی کے بدلتے ہوئے زاویے

دین حق کی سربلندی، نظام اسلامی کا قیام اور اللہ رب العزت کی زمین پر اُسی کے قانون وہدایت کے نفاذ وقیام کی کوشش کسی بھی زمانے میں پسندیدہ نہیں رہی اور نہ ہی اس جدوجہد کے علمبرداروں کے ساتھ باطل نظام اور اس کے حواریوں نے عدل و انصاف کا رویہ اور برتاؤ رکھا۔ چنانچہ تمام انبیاء علیہم السلام کی تاریخ اس پر شاہد ہے کہ ہر نبی اور اس کے ساتھیوں کے خلاف وقت کے حکمرانوں اور ظالم وظاہر وزراء ظلم وجبر کے پہاڑ توڑے نبی اور اس کے ساتھیوں نے ''متی نصر اللہ'' کی صدا بلند کی۔ اسی طرح نبی آخرالزماںؐ، آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم اور اس کے بعد کے ادوار میں بھی مسلسل حق پرستوں کے خلاف باطل سازشیں اور کوششیں جاری رہی ہیں۔ قرآن مجید میں اسی حقیقت کو اس طرح بیان کیا گیا ہے۔ ''مسلمانو! تمہیں مال اور جان دونوں کی آزمائشیں آکر رہیں گی اور تم اہل کتاب اور مشرکین سے بہت سی تکلیف دہ باتیں سنو گے۔ ان سب حالات میں تم صبر اور خدا ترسی کی روش پر قائم رہو تو یہ بڑے حوصلے کا کام ہے۔'' (آل عمران:۱۸۶)

یقیناً ایسے ہی لوگ کامیاب ہیں جو پرچم توحید کو بلند کرنا چاہتے ہیں، الٰہی نظام کے قیام کے لیے سرگرداں رہتے ہیں، انبیاء کرام اور نبی کریمؐ کی سنت پر عمل پیرا ہوتے ہیں اور اس راستہ کی تمام آزمائشوں اور ابتلاء کو خندہ پیشانی سے قبول کرتے ہیں اور ضرورت پڑنے پر اپنی جان ومال کا نذرانہ پیش کرتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بے شمار بشارتیں اور خوشخبریاں سنائی ہیں اور اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کس کا قول حق ہوسکتا ہے۔

یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے اور ساری دنیا جانتی ہے کہ ۱۹۷۱ء کی جنگ کیا تھی کیونکہ تھی اور اُس جنگ کی آگ کس نے لگائی تھی اور کس نے کیسے اُس جنگ کا فائدہ اٹھایا! کیا یہ بات مبنی برحق وانصاف ہوسکتی ہے کہ ۴۵ سال قبل ہوئی جنگ کے سلسلہ میں اب مقدمات دائر کئے جائیں اور مختلف افراد کو جنگی جرائم کا مجرم گردانتے ہوئے موت کی سزا دی جائے؟ یہ کون سا اصول اور قانون ہے، حق وانصاف کے کون سے تقاضے ہیں کہ ایک طویل عرصہ کے بعد جنگی جرائم کا فوبیا کھڑا کیا جائے مخالف نظریات رکھنے والوں کو موت کی نیند سلا دیا جائے، اس سے بڑی بدنیتی اور بدخواہی کیا ہوسکتی ہے کہ محب وطن لوگوں پر بھی بغاوت کا الزام تھوپ دیا جائے وہ افراد جن کے کردار وعمل ہر قسم کے شک و شبہ سے بالاتر ہیں، جن کے پارسا اور پاکیزہ ہونے کی گواہی انسان تو کیا شجر و حجر بھی دیتے ہوں جنگی بے گناہی کی شہادت مخالف بھی دیتے ہوں، جن کے کارناموں اور قربانیوں کی داستانوں سے اس ملک کی تاریخ بھری پڑی محض چند مخصوص ومکروہ عناصر کے اشاروں پر اغوا، قتل، عصمت ریزی اور لوٹ مار کا الزام لگانا دنیا کا آٹھواں عجوبہ نہیں تو اور کیا ہے۔ ملت اسلامیہ کی یہ کتنی بدبختی ہے کہ ''بنیان مرصوص'' کی صفت رکھنے والی یہ امت ان شہادتوں پر چپ سادھے ہوئے ہے۔ ترکی کے مرد مجاہد اور غیور حکمراں کے علاوہ تمام نام نہاد مسلم ممالک کو گویا سانپ سونگھ گیا ہے، امن اور انصاف کی جدوجہد کے نعرے بلند کرنے والی ملکی و بین الاقوامی تنظیموں اور اداروں کے ذمہ داروں کی زبانیں گنگ ہوچکی ہیں ایمنسٹی انٹرنیشنل جو خود بین الاقوامی دہشت گرد کی پروردہ تنظیم ہے اور جو کہ غیر ضروری طور پر انسانی حقوق کے نعرے بلند کرتی رہتی ہے بنگلہ دیش کے واقعات پر ثم بکم عمی کا کردار ادا کررہی ہے وہ بہت سے اداروں اور انجمنوں کے سربراہ جو کہ مسلم ممالک میں ''چیونٹی'' اور ''مچھر'' کی موت پر بھی بلبلا اٹھتے ہیں خاموش تماشائی کا رول ادا کررہے ہیں مزید حیرت واستعجاب اس امر پر ہے کہ اسلام اور ملت اسلامیہ کی بقا، تحفظ اور سربلندی کا نعرہ لگانے والی بے

شمار ملکی تنظیمیں جماعتیں اور ادارے مجرمانہ بے حسی کا شکار ہیں، بے گناہوں کی مسلسل شہادت پر نہ احتجاج اور نہ ہی اس سلسلہ کی روک تھام کے لیے اور ظلم و جبر کے خاتمہ کے لیے کوئی نمائندگی نہ میمورنڈم اور نہ ہی کسی قسم کی بھرپور کوشش۔ حالانکہ یہ سب ادارے اور تنظیمیں ''روھت'' کی موت پر مگرمچھ کے آنسو بہانے اظہار ہمدردی کرنے اور پرنٹ والیکٹرانک میڈیا کی سرخیوں میں رہنے کے لیے سبقت لے جارہی تھیں، اس سے بڑھ کر بددیانتی، بے ضمیری کتمان حق اور بدبختی کیا ہوسکتی ہے کہ خود کو شیر کہلانے والے ایک رکن پارلیمنٹ پڑوس کی جابر وظالم حکومت کے فیصلوں کو صحیح ٹھہرانے کی کوشش کرتے ہیں، عدالتی فیصلوں کے صحیح ہونے کی وکالت کرتے ہیں اور شہیدوں کے خلاف یاوہ گوئی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے ملت اسلامیہ آخر اتنی بے حسی کا کیوں شکار ہے جب کہ اللہ کے رسول نے تو ملت اسلامیہ کو ''ایک جسم'' سے تشبیہ دی تھی کہ ایک عضو کو تکلیف ہو تو دوسرا عضو محسوس کرے گا۔ لیکن جب کوئی قوم زوال اور انحطاط کا شکار ہوتی ہے تو یکے بعد دیگرے کام اعلیٰ صفات اور خصوصیات سے وہ ہاتھ دھونے لگتی ہے۔

عمر بن خطابؓ، خالد بن ولیدؓ، طارق بن زیادؒ، صلاح الدین ایوبیؒ، محمد بن قاسمؒ، ٹیپو سلطانؒ۔ اسلامی تاریخ کے درخشاں کردار گزرے ہیں جنہوں نے اسلام کی سربلندی اور مظلوموں کی حمایت میں قابل رشک کارنامے انجام دیئے ہیں وہ اچھی طریقے سے واقف تھے کہ.....

چپ رہنا تو ہے ظلم کی تائید میں شامل
حق بات کہو جرأت اظہار نہ بیچو

ایک مومن اور مسلم کی بنیادی صفات میں جرأت و جوانمردی، حق گوئی و بے باکی لازماً پائی جاتی ہے لیکن لگتا ہے فکر وعمل کے تنزل نے ان صفات کو ختم کردیا دنیا اور متاع دنیا نے آنکھوں کو چکاچوند کردیا ہے، مادیت کی طلب نے اخلاق و کردار کو گھن لگادی ہے، مال و دولت کی طلب اور عیش وعشرت کی آرزو نے حکمت و مصلحت کا شکار بنادیا ہے، حکمرانوں کی ناراضگی اور اقتدار وقت کے جبر وظلم کے خوف نے جرأت حق کو چھین لیا ہے اور اپنے اور اہل خانہ کے مستقبل کے خیالی اندیشوں نے اظہار حق سے بار رکھا ہے۔ عہدہ اور مناصب کے کھونے کے ڈر سے زبانوں پر تالے لگ گئے ہیں، کیا یہ حقیقت نہیں کہ دنیا اور متاع دنیا نے کسی سے بھی وفا نہیں کی، عہدہ، منصب اور شہرت ہمیشہ عارضی رہے ہیں، حکمت پسندی اور مصلحت کوشی کی بناء جرأت حق و اظہار حق سے انکار نے ہمیشہ ذلت و رسوائی میں مبتلاء کیا، حکمرانوں سے وفاداری اور چاپلوسی نے انہیں انسانوں کے بیچ بے وزن کردیا۔ اسلامی تاریخ کا ہر ورق گواہ ہے کہ راہ حق کے مسافروں نے راہ عزیمت کو اپنایا، آخرت کی کامیابی، رضائے الٰہی اور حصول جنت کو مطمح نظر بنایا۔ یہ وہ لوگ تھے جو جنت کی نعمتوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے تھے، ایمان کی حلاوت انہیں حاصل تھی، عرش کے سایہ کے وہ طلبگار رہے اور اپنی قبر میں کشادگی اور روشنی کے متمنی تھے! اسلام کے جیالوں کی شہادت پر اظہار تعزیت، اعلیٰ مراتب کی دعا اور جبر وظلم کے خاتمہ کی آرزو کیا یہی مومن اور مسلم کا شیوہ ہوسکتا ہے راہ حق کے مجاہد اور سرفروش مومن و مسلم ظلم و جبر کے خلاف کھڑے ہوتے ہیں، ظالم وجابر کو ظلم وستم سے باز رکھنے کی انتہائی کوشش کرتے ہیں اور مظلوموں و بے گناہوں کی مدد اور تعاون کے لیے جان و مال کی بازی لگادیتے ہیں۔ کاش کہ مسلم حکمراں اور ملت اسلامیہ اپنی حیثیت اور ذمہ داری کا ادراک رکھتے اور ''ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے'' کے مصداق حرکت وعمل کا مظاہرہ کرتے۔ اللہ تعالیٰ توفیق خیر بخشے۔ آمین

موت تجدید مذاق زندگی کا نام ہے
خواب کے پردہ میں بیداری کا ایک پیغام ہے

○○○

مفتی راشد حسین ندوی

سوال وجواب

س: اللہ تعالیٰ کہاں ہے؟ عموماً یہ بات بتائی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ حاضر و ناظر ہے۔ جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے کہ آپ نے فرمایا: کیا تم اس سے نہیں ڈرتے جو آسمان میں ہے اور قرآن میں آیا ہے "وسع کرسیہ السمٰوات والارض۔" تو اس مسئلہ کی وضاحت فرمائیں۔

ج: اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کے بارے میں قرآن مجید میں جو کچھ آیا ہے، اس پر ایمان لانا لازم ہے، فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہوگیا تو اس پر ایمان لانا لازم ہے، فرمایا گیا کہ جب بھی دو آدمی سرگوشی کرتے ہیں تو وہ ان کا تیسرا ہوتا ہے، تو اس پر ایمان لانا لازم ہے، فرمایا گیا کہ "ہم انسان کی رگ جاں سے قریب ہیں، تو اس پر بھی ایمان لانا لازم ہے، لیکن وہ عرش پر کس طرح متمکن ہے، انسان سے اتنا قریب کس طرح ہے؟ اس کا سمجھنا انسانی ذہن کے ادراک سے باہر ہے، قرآن اس کے بارے میں جو کچھ کہتا ہے بس وہی کہا جاسکتا ہے کہ اس کے مثل کوئی نہیں "لیس کمثلہ شیء و ھو السمیع البصیر" اسی لیے امام مالکؒ سے استواء کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا: "الاستواء غیر مجھول، والکیف غیر معقول، والایمان بہ واجب والسوال عند بہ بدعۃ"۔ (استواء معلوم ہے، اس کی کیفیت مجہول ہے، اس پر ایمان لانا واجب ہے، اور اس کے متعلق سوال کرنا بدعت ہے) (مجموعۃ الفتاویٰ، ص:۱۱۹) لہٰذا ہم کو ان مسائل کے بجائے پوری توجہ اعمال پر دینی چاہئے۔ واللہ اعلم۔

س: شریعت میں نفع کمانے کے کچھ حدود متعین ہیں یا نہیں؟

ج: شریعت میں نفع کی کوئی حد مقرر نہیں ہے، بس دھوکا نہ ہونا چاہئے، البتہ کسی سامان پر اتنا نفع لینا جو غبن فاحش کے دائرہ میں ہوتا ہو مکروہ ہے، غبن فاحش یہ ہے کہ مثلاً کوئی سامان دس سے پندرہ تک میں بازار میں مل جاتا ہے، لیکن کوئی شخص اس کی قیمت پندرہ روپے سے بھی زیادہ وصول کرے تو یہ صورت غبن فاحش کی ہے اور فقہاء نے اس کو ناپسندیدہ قرار دیا ہے۔ (شامی-۴/۱۷۸، کتاب الفتاویٰ-۵/۲۱۹)

س: زرزمین یا کسی اور چیز کی خرید وفروخت کروانے میں دلال کو دونوں طرف سے کمیشن لینا جائز ہوگا، یا ایک ہی طرف سے کمیشن لینا جائز ہوگا؟

ج: اگر وہ دونوں طرف سے کام کررہا ہے، اور دونوں جانتے ہیں کہ یہ شخص کمیشن پر کام کرتا ہے۔ تو اس کے لیے دونوں طرف سے کمیشن لینا جائز ہے، ورنہ جس کی طرف سے کام کررہا ہے، صرف اس سے کمیشن لینا جائز ہوگا۔ دوسرے سے لینا جائز نہیں ہوگا۔ (شامی، کتاب الفتاویٰ-۵/۲۰۷، ۲۰۸)

س: آج کل کچھ ایسی کمپنیاں قائم ہیں جو انسان کی محنت پر اجرت دینے کے ساتھ ساتھ جو دوسرے افراد اس کی محنت سے کمپنی سے جڑیں ان میں سے کچھ افراد کی محنت کی اجرت کا کچھ حصہ بھی اس پہلے شخص کو دیتی ہیں، یہ اجرت اس پہلے شخص کے لیے جائز ہوگی یا ناجائز ہوگی؟

ج: اگر آپ کی مراد وہ کمپنیاں ہیں جو نیٹ ورک مارکٹنگ یا ملٹی لیول مارکٹنگ کرتی ہیں تو فقہاء نے اس کو ناجائز قرار دیا ہے، لہٰذا نہ تو ان میں شرکت جائز ہے، نہ ممبر سازی کرکے نفع حاصل کرنا۔ (نئے مسائل اور فقہ اکیڈمی کے فیصلے۔ ص:۱۷۶) کوئی اور کاروبار مراد ہے تو پہلے کاروبار کی تفصیل لکھیں۔

(بقیہ.....صفحہ.....۱۱.....پر)

ادارہ

ایک مشہور فرانسیسی دانشور "رینے گینو" کا قبول اسلام

عالم، فلسفی، مصنف، دانشور، متکلم اور صوفی شیخ عبدالواحد یحییٰ کا اصل نام رینے گینو تھا۔ وہ فرانس کے ایک خوش حال کیتھولک گھرانے میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد ایک معزز انجینئر تھے۔ اس لیے ان کا بچپن مطمئن و مسرور گزرا۔ تعلیم کا آغاز آبائی شہر بلوائس (Blois) سے کیا جو پیرس سے ۱۷۲ کلومیٹر کے فاصلے پر دریائے لوار کے کنارے واقع ہے۔ طفولیت ہی سے ان میں غیر معمولی ذہانت کی علامات نمایاں تھیں اور وہ اپنے ساتھیوں میں ہمیشہ ممتاز و لائق رہے، چنانچہ انہوں نے بیچلر کی ڈگری امتیازی اسناد کے ساتھ حاصل کی۔ اسی سال وہ پیرس یونیورسٹی چلے گئے جہاں دو سال تک ریاضی کی تعلیم حاصل کرتے رہے۔

پیرس میں رینے گینو نے اپنی سرگرمیاں محض نصابی تعلیم تک محدود نہ رکھیں بلکہ حقیقت ازلی تک پہنچنے کی تگ و دو بھی شروع کردی۔ وہ اپنے آبائی مذہب عیسائیت سے مطمئن نہ تھے اور ان کی زبردست ذہانت اسے قبول کرنے پر تیار نہ تھی۔ اسی لیے انہوں نے دنیا بھر کے مذاہب کا وقت نظر سے مطالعہ ہی نہیں کیا بلکہ مختلف مفکرین اور دانشوروں سے بالمشافہ گفتگو بھی کرتے رہے مگر ان کو تشفی نہ ہوئی۔ اس ذہنی کشمکش اور روحانی سفر میں ان کی تعلیم بھی ادھوری رہ گئی اور انہوں نے یونیورسٹی کو خیرباد کہہ دیا۔ یہ کیفیت کئی سال تک جاری رہی۔ اسی دور میں ان کا تعارف دو ایسے اصحاب سے ہوا جو نومسلم تھے اور اسلام کے علاوہ دیگر علوم عمرانیات میں بھی دستگاہ کامل رکھتے تھے۔ ان میں شیخ عبدالحق فرانسیسی نژاد تھے، جن کا پرانا نام شمرینو تھا۔ وہ معروف عالم تھے اور ایک رسالہ "الطریق" نکالا کرتے تھے جو اب بند ہو چکا ہے۔ دوسرے صاحب فن لینڈ کے عبدالہادی تھے، جن کا مسیحی نام آئیوان گسٹاف تھا۔ قبول اسلام کے بعد انہوں نے عربی زبان سیکھی اور اس میں استادانہ عبور حاصل کیا۔ قاہرہ کے مجلہ "انصاری" میں ان کے مقالات چھپا کرتے تھے۔

رینے گینو نے "المعرفت" کے نام سے ایک رسالے کا اجراء کیا۔ دونوں متذکرہ نومسلم علماء نے ان سے بھرپور تعاون کیا۔ رسالے میں عیسائیت، ہندومت، بدھ مت اور اسلام سے متعلق مباحث شائع ہوتے تھے اور اول الذکر تینوں مذاہب پر بھرپور تنقید بھی ہوتی تھی۔ یہ رسالہ کئی سال تک جاری رہا۔ اسی سال رینے گینو مسلمان ہوگئے اور عبدالواحد یحییٰ نام اختیار کیا۔

شیخ عبدالواحد یحییٰ کو قبول اسلام میں اگرچہ ان کی ذاتی تلاش و جستجو، بے پناہ سلامت طبع اور شیخ عبدالحق اور شیخ عبدالہادی جیسے علماء کا بھی عمل و دخل تھا، لیکن دراصل وہ شیخ عبدالرحمٰن عیش سے متاثر ہوکر حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ شیخ عبدالرحمٰن عیش جامعہ ازہر (مصر) کے مفتی اعظم تھے۔ وہ صاحب عزیمت تھے اور اس راہ میں قید و بند کی صعوبتیں بھی جھیل چکے تھے۔ بعد میں انہیں جلاوطن کرکے روڈس بھیج دیا گیا مگر عمر کے آخری دنوں میں انہیں مصر آنے کی اجازت مل گئی تھی۔ نومسلم عبدالہادی، شیخ عبدالرحمٰن عیش سے براہ راست تعلقات رکھتے تھے۔ انہوں نے رینے گینو کو ثانی

الذکر سے متعارف کرایا اور رینے گینو ان سے اتنے متاثر ہوئے کہ طویل تحقیق و مطالعہ کے بعد بالآخر انہوں نے اسلام قبول کرلیا۔ پیرس کے اشاعتی ادارے نے شیخ عبدالواحد کو پیشکش کی کہ وہ اس کے خرچ پر قاہرہ جائیں، وہاں تصوف کا مطالعہ کریں اور صوفیاء کی تصانیف اور ان کے تراجم ارسال کریں، چنانچہ شیخ عبدالواحد قاہرہ آگئے۔ وہ آئے تو عارضی قیام کے لیے تھے، مگر حالات ایسے پیدا ہوئے کہ انہوں نے یہاں مستقلاً قیام کرلیا، ان کا مکان محلہ ازہر میں تھا۔

قاہرہ آنے سے پہلے ہی شیخ عبدالواحد یحییٰ کے والد اور والدہ وفات پاچکے تھے۔ یہاں تن تنہا زندگی مشکل ہوئی تو انہوں نے ایک خاتون کریمہ بنت شیخ ابراہیم سے نکاح کرلیا۔ اس نیک بی بی نے ان کی زندگی سکون اور اطمینان سے بھردی۔ ان کی اولاد میں دو بچے اور دو بچیاں تھیں۔ قاہرہ میں شیخ موصوف نے بہت خاموش زندگی گزاری۔ لوگوں سے بہت کم ملتے جلتے تھے اور چند اصحاب ہی جانتے تھے کہ شہرہ آفاق مصنف رینے گینو قاہرہ کے کس محلے میں رہتے ہیں۔ دراصل وہ ان لوگوں سے بہت کتراتے تھے جو ان کا وقت ضائع کرتے اور سوائے شخصی باتوں اور ذاتی احوال کے کوئی بات ہی نہیں کرتے تھے۔ البتہ جب وہ دیکھتے کہ ملنے والا علمی ذوق رکھتا ہے تو وہ نہایت خوش دلی سے اسے قریب بٹھاتے اور باتیں کرتے تھے۔ شیخ نہایت وجیہ و شکیل اور بارعب شخصیت کے حامل تھے۔ طویل قامت پرنور اور مرعوب کن چہرہ پرجلال و پروقار اور ذہانت سے بھرپور آنکھیں اور صلح و تقویٰ کی شہادت دیتا ہوا سراپا، جو بھی ایک مرتبہ ان سے ملتا، متاثر ہوئے بغیر نہ رہتا۔ ان کی تحریروں اور شخصیت کے اثر سے یورپ کے بہت سے اہل کمال نے اسلام قبول کرلیا۔ ان لوگوں میں سرفہرست شیخ عیسیٰ نورالدین ہیں، جنہیں مشرق میں فلسفی کے استاد HEF THIOFSEFAUN کے نام سے جانتے ہیں۔ تقابل ادیان اور فلسفۂ دین پر ان کو یورپ میں سند مانا جاتا ہے۔ بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں۔

دوسرے صاحب ابوبکر سراج ہیں، ان کا مسیحی نام مارٹن لنکز تھا۔ انگریزی اور عربی پر یکساں قادر ہیں۔ تصوف ان کا خاص موضوع ہے اور یورپ کی علمی دنیا میں سند کا درجہ رکھتے ہیں، اعلیٰ پائے کے شاعر اور مترجم ہیں۔ پانچ چھ کتابوں کے مصنف ہیں۔ تیسرے صاحب مصطفیٰ عبدالعزیز (مائیکل یوآنسن) ہیں، ان کا چند ہی سال قبل انتقال ہوا ہے۔ یہ ایک ثقہ جریدے کے مدیر اور عالم دین تھے۔ ان کا مجلہ مغرب میں تصوف اور روایتی علوم کی توضیح و اشاعت کرنے والا معتبر ترین جریدہ تھا۔

اسی طرح FINTSBURCHARAT نے خصوصیت سے قدیم تہذیبوں کے تصورات فن پر تحقیق کی ہے۔ صوفی تصورات پر ایک معرکۃ الآراء کتاب لکھی ہے۔ کیمیاء پر لکھی جانے والی اس صدی میں سب سے اچھی کتاب کے مصنف بھی یہی صاحب ہیں۔ جرمن، انگریزی، فرانسیسی، سوئس، عربی اور فارسی پر عبور رکھتے ہیں۔ شیخ اکبر ابن عربی کی فصوص الحکم الجیلی کی انسان کامل اور شیخ زرقاوی کی رقعات زرقاویہ کا فرانسیسی اور انگریزی ترجمہ بھی کرچکے ہیں۔ ان کے علاوہ بھی بہت سی شخصیات عبدالواحد یحییٰ سے متاثر ہوکر حلقہ بگوش اسلام ہوئیں۔

یہ سب لوگ اب اپنے اپنے شعبے میں اسلام کی اشاعت و تبلیغ کررہے ہیں اور ان کے واسطے سے اسلام کا تعارف یورپ میں وسیع ہوتا جارہا ہے۔ قبول اسلام کے بعد شیخ عبدالواحد یحییٰ نے اسلامی تصورات کی شرح اور مغرب کو ان سے روشناس کرانے کا بیڑا اٹھایا۔ انہوں نے عمر بھر لکھا اور بہت کچھ لکھا۔ یوں بے شمار مقالات کے علاوہ ان کی مستقل تصانیف کی تعداد دو درجن سے زائد

ہے۔ ان میں EAST AND WEST ان کی وہ زبردست تصنیف ہے جو دائمی اہمیت و حیثیت کی حامل ہے۔ اس میں انہوں نے مشرقی فکر اور تہذیب کی مغربی فکر و تہذیب پر برتری ثابت کی ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ مغربی تہذیب کی بنیاد ظلم و عدوان اور مادی استحصال پر رکھی گئی ہے، اس لیے خونریزی اور مادہ پرستی اس کی سرشت میں شامل ہے۔ اسی لیے وہ مشرق کی انسانیت نوازی کا اندازہ نہیں کرسکتی۔ کتاب کے ہر صفحے سے تہذیب مشرق اور انسانی رفعت کی شہادت ملتی ہے اس کتاب میں انہوں نے مغرب کے تین خداؤں یعنی ''ترقی'' ''تہذیب'' اور ''سائنس'' کی قلعی کھول کر رکھ دی ہے۔ ان کے بودے پن کو واضح کیا ہے اور پس منظر میں کارفرما اغراض و مقاصد کی جھلک دکھائی ہے۔ انہوں نے برملا لکھا ہے کہ اگر مغرب کی مادی قوت کو نظر انداز کر دیا جائے تو اس کی حیثیت ایشیا اور افریقہ کے مقابلے میں جسد ارضی پر ایک بے وقعت مردار گوشت کی رہ جاتی ہے اور تاریخ میں مغرب کی حیثیت ہمیشہ وہی رہی ہے جو تنے کے سامنے غلط رخ پر بڑھی ہوئی شاخ کی ہوتی ہے۔

ان کی دوسری اہم ترین کتاب ''جدید دنیا کا المیہ'' ہے، اس میں انہوں نے تاریخ کے قدیم اور روایتی تصور کے حوالے سے انسانی تاریخ میں تہذیب مغرب کا مقام متعین کیا ہے۔ ساتھ ہی اس مہلک راہ انحراف کی نشاندہی کی ہے، جس پر مغرب گامزن ہے، جو کھلی گمراہی ہے اور جس نے مغرب کو سیدھی راہ دیکھنے سے اندھا بنا رکھا ہے۔

Reign of Quantity میں انہوں نے مغربی سائنس کے خالصتاً مقداری اور نتیجتاً مادی مزاج کا محاکمہ کیا ہے۔ یعنی مغربی تہذیب کے اس غالب رجحان پر تنقید کی ہے جس کے تحت ہر معیار اور اصول کو فقط مقدار اور تعداد تک محدود رکھا جاتا ہے۔ اس کتاب میں انہوں نے مغربی سائنس اور صنعت کے مختلف ہولناک پہلوؤں پر خاص تبصرہ کیا ہے۔ آخر میں تحلیل نفسی Psyco Analysis اور اس کے نظریات و خطرات پر بھی تنقید کی ہے جب کہ خامیوں اور کوتاہیوں کی نشاندہی بھی کی ہے۔

65 برس کی عمر میں شیخ اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ مصر اور یورپ کے ثقہ علمی حلقوں میں صف ماتم بچھ گئی لیکن جہاں بہت سے لوگوں نے انہیں جی بھر کر خراج تحسین پیش کیا وہاں ان کے دشمنوں کی تعداد بھی کم نہ تھی۔ فری میسنز، متعصب عیسائیوں اور مادی تہذیب کے علمبرداروں کے خلاف شیخ نے کسی رو رعایت کے بغیر بے رحمی سے تنقید کی تھی۔ ان سب نے ان کے خلاف لکھا۔ اس طرح ان کے حامیوں اور مخالفوں کے درمیان ایک مباحثہ چل نکلا، جس کا فائدہ یہ ہوا کہ بہت سے لوگ ان کی تصانیف کی طرف مائل ہوئے۔ ان کی اصلاح ہوئی۔ اسلام کے بارے میں عیسائی مبلغین کی پھیلائی ہوئی غلط فہمیاں بھی دور ہوئیں اور یورپ کے سنجیدہ طبقے میں متعدد افراد نے اسلام قبول کرلیا۔ کلیسا کی ممانعت کے باوجود ان کی تصانیف پورے یورپ میں پھیل گئیں۔ مغرب کی بہت سی زبانوں میں ان کے تراجم ہوئے اور بے شمار لوگ ان سے متاثر ہو رہے ہیں۔

شیخ عبدالواحد یحییٰ کی عظمت کا اعتراف کرتے ہوئے عبدالحیم محمود (مرحوم) رئیس الجامعہ ازہر نے کہا تھا ''رینے گینو ان شخصیات میں سے ہیں جنہوں نے تاریخ میں ایک مقام پیدا کیا ہے۔ مسلمان انہیں امام غزالی جیسے لوگوں کا ہمسر گردانتے ہیں۔ مشہور جرمن مستشرق ڈاکٹر این میری شمل نے شیخ موصوف کے قول و فعل کی یکسانیت اور طرز حیات کی پاکیزگی اور للّٰہیت کا اعتراف کیا۔

OOO

آخری صفحہ

مولانا محمد قمر الزماں ندوی
استاد مدرسہ نور الاسلام کنڈہ پرتاپگڑھ

عنقا را بلند است آشیانہ

دارالعلوم دیوبند کے بانی حضرت مولانا محمد نانوتویؒ ایک دن مسجد چھتہ دیوبند میں طلباء کو درس دے رہے تھے اسی دوران ایک نواب صاحب آئے اور ملاقات کے بعد دعا کی درخواست کی، نواب صاحب جب رخصت ہونے لگے تو نانوتویؒ کی خدمت میں اشرفیوں سے بھری ایک تھیلی پیش کی اور کہا: یہ آپ کی ضرورت کے لئے ہیں'' حضرت نے فرمایا: ''مجھے ضرورت نہیں نواب صاحب نے کہا ''کسی کار خیر میں خرچ کر دیجئے'' فرمایا ''مجھے کیوں وکیل بناتے ہو، نیکی کا کام ہے خود کرو'' اور لطیفہ بھی فرمایا کہ ''دیکھو! اگر مجھ میں انفاق (خرچ کرنا) کی اہلیت ہوتی تو خدا مجھے دے دیتا، جب خدا نے تمہیں دیا ہے تو اب وسائط (ذریعہ) کیوں ڈھونڈتے ہو، جاؤ اپنی مرضی سے خرچ کردو''۔

الغرض حضرت نانوتویؒ نے تھیلی کو قبول نہ فرمایا۔ نواب صاحب جب جانے لگے تو مسجد سے باہر جہاں حضرت کی جوتیاں تھیں، تھیلی کو اس میں بھر دیا اور چلے گئے۔ حضرت درس سے فارغ ہو کر جب جوتے پہننے لگے تو اس میں اشرفیاں بھری تھیں، طلباء کو بلایا اور فرمایا:

''دنیا ایسی خبیث چیز ہے کہ تم پیچھے بھاگو تو یہ دور بھاگتی ہے اور جب تم اس سے دور بھاگو تو وہ قدموں میں اور جوتوں میں آتی ہے، اس کا حال بھی فاحشہ عورت کا حال ہے، کوئی اس کے قریب جائے تو دور بھاگے، دور جائے تو قریب آئے''۔

(چراغِ راہ صفحہ ۲۰۲ مولانا رضوان القاسمیؒ)

اس واقعہ کو غور سے پڑھ کر ہم سب کو اپنے اپنے گریبان میں جھانکنے کی ضرورت ہے کہ آج ہم دنیا اور اسباب دنیا کی محبت میں کس قدر گرفتار ہیں۔ عوام تو کالأنعام ہیں طبقۂ خواص بھی اس مرض میں بری طرح گرفتار ہیں، اس طبقہ کا بھی مطمح نظر عام طور پر دنیا اور اس کی ٹیپ ٹاپ ہے، یہ طبقہ بھی جنہیں دنیا اور دنیا کے ساز و سامان کو خاطر میں نہیں لانا چاہیے تھا بل تؤثرون الحیوۃ الدنیا (بل کہ تم لوگ دنیاوی زندگی اور ساز و سامان کو ترجیح دیتے ہو) کے مخاطب نظر آرہے ہیں اس کے برخلاف اگر ہم دنیا سے بھاگے تو یہ دنیا اور درہم و دینار ہمارے پیروں کی ٹھوکروں میں ہوتے اور یہ دنیا ہمارے پیچھے پیچھے بھاگتی، ہماری باتوں، نصیحتوں وعظوں اور دعوتوں میں تاثیر ہوتی اور دنیا کے پرستاروں سے صاف صاف کہہ دیتے۔

کرم تیرا کہ بے جوہر نہیں میں
غلام سنجر و طغرل نہیں میں
جہاں بینی میری فطرت ہے لیکن
کسی جمشید کا ساغر نہیں میں

☆☆☆